مقالات

حصن المسلم

جلد ششم

مؤلف
ندیم ایاز

مکتبہ دار الرحیل

کتاب: حصن المسلم کے مقالات جلدششم
مولف: ندیم ایاز
سال اشاعت: 2021
قیمت: 200روپیہ

فہرست

مقدمہ.....3
تالیفات.....4
(1) میرا لہو اب بھی بہہ رہا ہے--!!!.....6
(2) معاشرے میں بگاڑ پیداکرنے والے اعمال!.....12
(3) معاملات میں نرمی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے.....22
(4) عید میلاد النبی ﷺ ایک مطالعاتی جائزہ.....34
(5) ماہِ رجب ۔ بدعات کے نرغے میں!.....59
(6)بدعات اور شریعتِ محمّدی ﷺ.....70
(7) یہ خوابوں کی دنیا کے باسی!!.....82
(8) رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا آخری باب، رفیق اعلیٰ کی جانب.....90
(9) شادی بیاہ کے مسنون اور غیر مسنون طریقے.....115
(10) اللہ کی پکڑمسلمانوں پر کب آتی ہے؟.....151
(11) ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاقیں تین شمار ہوتی ہیں یا ایک؟...161

مقدمہ

الحمد للہ، اصلاحی سلسلے کی یہ ایک اور بہترین کتاب ہے ۔ جہاں دکھ اور مصیبتیں بڑھ گئیں ہیں وہاں ایمان کو جلا بخشنے کے لئے قرآن وسنت کی روشنی ایک بہترین ذریعہ ہے، ثابت قدم ہیں وہ لوگ ہر دکھ، خوف اور پریشانی میں جن کو لا الہ الا اللہ نے مضبوط کردیا ہے ۔
کسی کے دل میں سرور اور خوشی کا إحساس ڈال دینا ایک أفضل عبادت ہے آپ کے دکھ کم کرنے میں یہ میری استطاعت میں ہے کہ کلمہ خیر آپ کے سامنے رکھوں اللہ تعالیٰ مجھے مزید توفیق عطا فرمائے آمین

قاری شیخ ندیم ایاز حفظہ اللہ تعالیٰ
16نومبر 2021 کراچی
00923172134743 whatsapp
Peaceofmindna.com website
Peaceofmind.na facebook page

تالیفات

(1)قرآنی دعائیں
(2)اللہ کے بندے مادہ پرست نہیں ہوتے
(3)اصلاح النساء
(4)طرق التفسیر
(5)قرآن مجید کی تفسیر کے اقسام
(6)المناهج المختلفة للمفسرين
(7)الكبائر التي ذكرها الإمام الذهبي
(8)اسلام سائنس اور الحاد
(9)ملحدین کے پچاس اعتراضات کے جوابات
(10)ملحدین کی اصلاح
(11)خدا کے بارے میں ملحدین کی پریشانی کا علاج
(12)پاکستان میں اسلامی دستور کے لیے علماء کے 22 متفقہ نکات
(13)أسهل طريقة لحفظ القرآن الكريم
(14)صحیفہ ہمام بن منبہ
(15)المعجم الصغير للطبرانی
(16)پیغام مدینہ جلد اول
(17)پیغام مدینہ جلد دوم
(18)پیغام مدینہ جلد سوم

(19)پیغام مدینہ جلد چہارم
(20)پیغام مدینہ جلد پنجم
(21)پیغام مدینہ جلد ششم
(22)پیغام مکہ جلد اول
(23)مقالات حصن المسلم جلد اول
(24)مقالات سیرت جلد اول
(25)مقالات سیرت جلد دوم
(26)مقالات سیرت جلد سوم
(27)مقالات حصن المسلم جلد دوم
(28)مقالات حصن المسلم جلد سوم
(29)مقالات حصن المسلم جلدچہارم
(30)مقالات حصن المسلم جلد پنجم
(31)مقالات حصن المسلم جلد ششم
(32)مقالات حصن المسلم جلدهفتم
(33)مقالات حصن المسلم جلد هشتم
(34)بے قرار دل کا قرار

(1) میرا لہو اب بھی بہہ رہا ہے--!!!

الشیخ ڈاکٹر مقبول احمد مکی حفظہ اللہ

وطنِ عزیز میں عصر حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ امن و امان کا ہے۔ کہ ہر طرف انسانیت کی تذلیل، قتل و غارت گری دن دہاڑے، مال اور عزت کا لٹ جانا، دہشت کے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ جبکہ قبل الاسلام دور جہالت میں، جب ابھی رحمۃ للعالمین کا ظہور نہیں ہوا تھا تو اس وقت بھی معاشرے کا سب سے بڑا اور گھمبیر مسئلہ امن و امان کا تھا۔ نہ کسی کی جان محفوظ تھی، نہ ہی عزت و مال۔

"لا الہ الا اللہ" وہ مقدّس کلمہ کہ جس نے ان تاریک معاشروں میں امن و امید ایک نئی صبح ظاہر کر دی تھی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ کے آنے بعد ظلم و ستم اور دہشت گردی کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے اور لوگ اس "امن والے دین" کی امان میں آنے لگے۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمانِ ربانی سن لیا تھا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا

المائدة–32

ترجمہ: "جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا زمین میں فساد کرنے کی سزا دی جائے تو گویا اس (قاتل) نے تمام لوگوں کو قتل

کر دیا اور جو شخص کسی ایک شخص کی جان بچا لے گویا کہ اس نے تمام لوگوں کی جان بچا لی ۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ احترام آدمیت کا درس دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک انسان کی اتنی قدر و قیمت ہے کہ اگر کسی نے ناحق و ناجائز کسی انسان چاہے وہ مسلمان نہ بھی ہو خون بہایا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کر ڈالا، کیونکہ وہ ایک فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام اور ہمدردیٔ نوعِ انسانی کے جذبے سے خالی ہے لہذا وہ پوری انسانیت کا دشمن اور قاتل ہے کیونکہ اس کے اندر وہ درندہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری انسانیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے برعکس جو شخص انسانی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کی بقا کا انحصار ہے اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ یوں ارشاد فرماتا ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ
النساء–93

ترجمہ: "جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

مندرجہ ذیل شعر پاکستانی معاشرے کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے۔

بند کر لیا ہے سپیروں نے سانپوں کو یہ کہہ کر
انسان ہی کافی ہے انسان کو ڈسنے کیلئے

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مومن کی کیا شان ہے اگر اس کو کوئی ناحق قتل کرے تو اس کے لئے پانچ سخت ترین وعیدیں بیان کی جارہی ہیں:

-1اس کی سزا جہنم ہے

-2وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

-3اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔

-4اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

-5اور اُس کے لئے اس کی ان سب سزاؤں سے بڑھ کر سخت ترین عذاب تیار کیا گیا ہے۔

ان آیات کی تصدیق رسول اکرم ﷺ بھی فرمارہے ہیں:

"كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا الرَّجُلَ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا أَوِ الرَّجُلُ يَمُوتُ كَافِرًا۔"

سنن النسائی: کتاب، تحریم الدم، حدیث رقم: 3919

ہر گناہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ معاف فرمادیں گے مگر جس آدمی نے کسی کو ناحق جان بوجھ کر قتل کیا ہو گا اس کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کو بھی سمجھتے ہیں مگر پھر بھی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خون کا پیاسا ہے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا ہے اس دور میں تو یہ کہاوت بھی زبان زد عام ہو گئی ہے کہ:

' "گولی مہنگی ہے جبکہ انسانی جان سستی"

ہم اس قدر سنگدل اور بے رحم درندے بن گئے ہیں کہ آئے دن سانحات پر سانحات رونما ہو رہے ہیں، کبھی 12 مئی کا دل خراش حادثہ، کبھی 9 اپریل 2008 کا

دلسوز واقعہ کہ جس میں زندہ انسانوں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا، اور کبھی معصوم راہگیروں کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو کبھی صحافی برادری کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں ابھی اور کتنے سانحات سے واسطہ پڑنا باقی ہے مگر لمحہ فکریہ یہ ہے کہ مسلمان اتنا پتھر دل ہو گیا ہے اس طرح کی درندگی پر کیوں اتر آیا ہے اور اپنے پیارے پیغمبر مصطفی علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمان پاک کو بھی نہیں مانتا:

"كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُه"

صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة، رقم: 4650

"ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان کیلئے اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے"۔

رسول معظم ﷺ نے یہاں تک فرما دیا کہ:

"لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَأَهْلَ الْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ"۔

رواه الترمذی فی کتاب الدیات، حدیث رقم: 1318، صححه البانی

"اگر زمین و آسمان کے سب لوگ ایک مومن کے قتل میں شریک بھی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دیں گے۔"

آج کا مسلمان اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب کا یہ فرمان بھی بھول گیا ہے کہ آپ ﷺ نے (خطبہ حجۃ الوداع) میں فرمایا تھا: "تم پر ایک دوسرے کے خون، مال اور آبرو اس طرح حرام کر دی گئی ہیں جس طرح تمہارے اس دن (یوم نحر) کی تمہارے اس شہر (مکہ) کی اور تمہارے اس مہینہ (ذوالحجۃ) کی حرمت ہے، نیز فرمایا کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا" (بخاری کتاب الحدود، حدیث نمبر: ٦٢٨٧)

گویا مسلمان کا ایک دوسرے کو قتل کرنا کفر کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

’ ’جب دو مسلمان تلوار لیکر باہم لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں“سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تو قاتل تھا، مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل کے درپے تھا“ (بخاری، کتاب الدیات، حدیث نمبر:٦٣٦٦)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) تین آدمیوں پر سب سے زیادہ غضب ناک ہوگا۔

-1حرم شریف (یعنی مکہ) میں ظلم کرنے والا۔

-2اسلام میں طریقہ جاہلیت کا متلاشی۔

-3اور ناحق کسی کا خون بہانے کا طالب۔ ان مذکورہ بالا نصوص سے احترام انسانیت اور اکرام آدمیت اور انسانی قدر و منزلت روز روشن کی طرح عیاں ہو رہی ہے انسانی جان کو قتل کرنا تو بہت دور کی بات ہے کسی کو اپنے سے کمتر اور حقیر جاننا یہ گناہ ہی اس کو جہنم میں لے جانے کیلئے کافی ہے جبکہ رسول اکرم ﷺ نے تو مسلمان کی پہچان ہی یہ بتائی ہے کہ:

”اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدَهٖ“۔

صحیح البخاری، کتاب الایمان، رقم:10

’ ’مسلمان تو وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان کی تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں “۔

آج ہم کیسے مسلمان ہیں کہ ہماری بندوقوں کا رخ دفاع اسلام کی بجائے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی طرف ہو چکا ہے، ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہے اور نفرتوں کے بیج بوئے جا رہے ہیں اور اپنی عاقبت کو برباد کیا جا رہا ہے جبکہ اسلام تو خدمت، ایثار اور عدل و احسان کا دوسرا نام اس لیے ہے کہ وہ ایسے انسان تیار کرنا چاہتا ہے جو ان صفات سے

متصف ہوں، جن کی لذت خدمت انسانی میں، دولت قناعت میں، رفعت محبت میں اور مسرت عبادت میں ہو، جو شرم وحیا اور عدل وفضل کے پیکر ہوں جو بغض اور حسد، حرص ونفرت اور خود غرضی وعیاشی سے پاک ہوں جو تمام مسلمانوں کو ایک کنبہ سمجھتے ہوں اور نسل ورنگ کی قیود سے بالاتر ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا کو دارالسلام بنا سکتے ہیں، اقوام وافراد کے باہمی روابط، عدل ومیزان کی اساس پر قائم کر سکتے ہیں اور کاروان حیات کو راہ منزل دکھا سکتے ہیں اگر ایسے لوگ آگے نہ آئے تو پھر یہی ہوگا جو ہو رہا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے، اہل حق علمائے کرام اور اہل حل وعقد کو آگے بڑھنا ہوگا۔ دعوتی واصلاحی عمل کو تیز کرنا ہوگا اس ظلم وبربریت کے خوفناک انجام سے آگاہ کرنا ہوگا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کی قرآن وسنت کے زریں اصولوں کے ذریعے اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

(2) معاشرے میں بگاڑ پیداکرنے والے اعمال!

1 ظلم وزیادتی :

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا(حدیثِ قدسی ہے)اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے:"اے میرے بندو!میں نے ظلم کواپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام ٹھہرایاہے ؛لہٰذاایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔اے میرے بندو!تم سب گمراہ ہو'سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں؛لہٰذامجھ سے ہدایت طلب کرو،میں تمہیں ہدایت دوں گا۔اے میرے بندو!تم سب بھوکے ہو 'سوائے اس کے جسے میں کھلاؤں؛لہٰذامجھ سے ہی کھانا مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا۔اے میرے بندو!تم سب ننگے ہو ' سوائے اس کے جسے میں پہناؤں؛لہٰذا مجھ سے ہی کپڑامانگو ' میں تمہیں پہناؤں گا۔اے میرے بندو!تم رات دن خطائیں کرتے ہواور میں ہی ہر قسم کے گناہوں کو بخشتا ہوں؛لہٰذامجھ سے معافی مانگو'میں تمہیں بخش دوں گا۔اے میرے بندو!تم مجھے نقصان پہنچاسکتے ہو اور نہ نفع۔

اے میرے بندو!اگر تمہارے اگلے پچھلے سب انس وجن تم میں سے سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہوجائیں تو اس سے میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔اے میرے بندو!اگر تمہارے اگلے پچھلے سب انس وجن تم میں سے سب سے زیادہ فاسق وفاجر شخص کی طرح ہوجائیں تواس سے بھی میری سلطنت میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اے میرے بندو!اگر تمہارے اگلے پچھلے سب انس وجن کسی چٹیل میدان میں جمع ہوکرمجھ سے مانگیں اور میں ہر شخص کی مانگ پوری کردوں تو اس سے میرے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی بجز اس کمی کے جو سمندر میں سوئی ڈبونے سے ہوتی ہے۔اے میرے بندو!یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں شمار

کرتا ہوں پھر تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا، تو جو شخص بھلائی کو پالے وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ اور جو بھلائی کے سوا کسی اور چیز کو پالے، تو وہ اپنے نفس ہی کو ملامت کرے۔" (صحیح مسلم وترمذی- صحیح)

اس حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو اپنے محبوب رسول ﷺ کی زبانِ نبوت سے انتہائی پیارے انداز میں خطاب فرما کر ہر کام میں محض اپنی ذات کی طرف رجوع کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی تمام انسانوں کو اپنی ہر قسم کی مرادیں اور فریادیں صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کرنی چاہئیں۔ اس لئے کہ وہی ہے جو ہماری تمام حاجات کا تنہا ازالہ کر سکتا ہے اور جہاں سے ہم کبھی بھی خالی دامن لیکر واپس نہیں جاتے۔ اور وہی ہمارے تمام گناہوں کو معاف کرنے اور پھر انہیں نیکیوں میں بدلنے پر بھی قادر ہے۔ ہم اسی کے رزق کے محتاج ہیں اور وہی ہمیں لباس بھی مہیا کرتا ہے۔ اس کے سوا باقی سب بے بس، لاچار اور اسی کی نظرِ کرم کے محتاج ہیں۔

2 حرام خوری :

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:"وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام سے پلا ہو۔" (رواہ أبو یعلیٰ والبزار والطبرانی- حسن)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:"ایک شخص بہت لمبا سفر کرکے (اور کثیر مال خرچ کرکے حج کیلئے جاتا ہے) اس کا جسم تھکاوٹ سے چور اور گرد وغبار سے اٹا پڑا ہے، پھر وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ سے "اے میرے رب، اے میرے رب" کہہ کر دعا کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے اور حرام کی غذا سے اس نے پرورش پائی ہے۔ پس ایسے شخص کی دعا کہاں سے قبول ہو گی؟" (صحیح مسلم، ترمذی)

اللہ کے رسول نے سُود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، اس کو لکھنے والے پر اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "میں نے (معراج کے موقع پر) دیکھا کہ ایک شخص جہنم کے اندر ایک خون کی ایک نہر میں غوطے لگا رہا ہے اور اس کے کنارے پر بھی ایک آدمی کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں پتھر ہیں، جب اندر والا آدمی باہر آنے کی کوشش کرتا ہے تو باہر والا اس کے چہرے پر پتھر مار کر اسے واپس اندر جانے پر مجبور کر دیتا ہے اور وہ واپس اپنی جگہ پر پہنچ جاتا ہے۔ میں اپنے ساتھ والے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ نہر والا شخص کون ہے اور اسے اتنا سخت عذاب کیوں دیا جا رہا ہے؟ تو فرشتوں نے بتلایا کہ یہ سُود کھانے والے لوگ ہیں۔" (صحیح بخاری)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "سُود کے ستر (70) سے زائد درجے ہیں، اور ان میں سب سے ہلکے درجے کا گناہ اپنی سگی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔" (ابنِ ماجہ - صحیح)

ان احادیث میں ان لوگوں کیلئے انتہائی سخت وعیدیں ہیں کہ جو دولت کمانے کی دھن میں حلال و حرام کی تمیز کھو بیٹھتے ہیں۔ ان کی کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کی ہاں قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ چاہے وہ کثیر سرمایا لگا کر اور سخت محنت جھیل کر حج جیسے مقدس فریضے کی ادائیگی کیلئے بھی جائیں تب بھی ان کی عبادت قبول نہیں ہو گی۔ اور اگر وہ اسی حالت میں مر جائیں تو ان جنت بھی حرام ہے۔ اور پھر سُود سے وابستہ لوگوں کا گناہ بھی آپ نے مطلع فرمالیا۔ ہاں! اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ حرام نہ کھانے کا پکا اور سچا عہد کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کرنے پر قادر ہے۔

3 منافقانہ خصلتیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ
النساء–145

’’بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔‘‘
اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

’’چار باتیں ایسی ہیں کہ کس انسان میں ایک ساتھ جمع ہوجائیں وہ خالص منافق ہے۔اور جس انسان میں ان میں سے ایک بھی خصلت پائی جائے وہ نفاق کی خصلت ہے جب تک کہ اسے ترک نہ کردے۔-1جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے،-2جب بات کرے تو جھوٹ بولے ،-3جب (کسی سے)وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے،-4اور جب (کسی سے) جھگڑاہو تو بد زبانی کرے۔‘‘(صحیح بخاری و صحیح مسلم۔صحیح)

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے منافق کی چار علامات گنوائی ہیں۔ہمیں اپنی زندگی پر غور کرنا چاہئے کہ کہیں یہ صفات جو نہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں بری ناپسندیدہ ہیں،بلکہ کسی عام معاشرے میں بھی انہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔اور پھر کہاں یہ کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان بھی کہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی بھی کریں۔اس لئے ان عاداتِ بد سے خود بھی بچیں ،اپنی اولاد کو بھی بچائیں اور اپنے معاشرے میں جس شخص کو بھی ان بری اور ناپسندیدہ باتوں مبتلا دیکھیں اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔ تبھی ہم ایک بہت ہی بہترین اور باعثِ تقلید معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

4مخالف جنس کی مشابہت اختیار کرنا :

سیدنا عباس رضی اللہ عنہما رماتے ہیں کہ :"اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔"(صحیح بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ- صحیح)

اس حدیث پر غور کریں۔اور پھر اپنے آپ کو دیکھیں کہ ہم کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی لعنت کے موجب تو نہیں بن رہے؟اس لئے کہ آج کے معاشرے میں تقریباً ہر معاملے میں عورتوں کا مرد کی مشابہت اختیار کرنااور مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا عام ہوچکا ہے۔ لباس سے لیکر شکل وصورت تک ہر معاملے میں دونوں ایک دوسرے کی امتیازات کو توڑنے میں مسلسل مصروفِ عمل ہیں۔آج کسی مرد کو دور سے دیکھ کر پہنچاننا مشکل ہوجاتا ہے کہ مرد ہے یا عورت...؟اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو داڑھی جیسی جو نعمت عطا کی تھی، تاکہ کوئی انہیں "زن" ہونے کا طعنہ نہ دے سکے۔ مگر آج کے "مرد" اگرچہ زبانی اب بھی اس طعنے کو پسند نہیں کرتے مگر عملی طور زن بننے میں کوئی قباحت بھی محسوس نہیں کرتے۔اب اگر کوئی ان کی ظاہری حالت دیکھ کر انہیں واقعی "زن" سمجھ اور کہہ بیٹھے تو اس میں کہنے والے کا کیا قصور...؟اور پہلے عورتوں کے بال لمبے اور مردوں کے چھوٹے ہوتے تھے مگر اب مردوں کے بال لمبے اور عورتوں کے چھوٹے ہوتے ہیں۔پہلے عورتیں چٹیا باندھتی تھیں اور مرد بال کھلے رکھتے تھے مگر اب مرد چٹیا باندھتے اور عورتیں بال کھلے رکھتی ہیں۔اس طرح کی اور بہت ساری مثالیں ہیں جو ہمارے معاشرے میں دیکھنے کو ملتی رہتی ہیں۔اور ایسے ہی مردوں اور عورتوں کو اللہ کے نبی ﷺ نے "مخنث"(ہیجڑا) قرار دیا ہے۔اور فرمایا کہ انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔اور خود اللہ کے نبی ﷺ نے ایک مخنث کو اپنے گھر سے نکال دیا تھا اور آپ کی اتباع میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کام سرانجام دیا تھا۔لہٰذا ہمیں بھی اللہ

کے رسول ﷺ کی اس سنتِ مبارکہ پر ضرور عمل کرنا چاہئے۔ (صحیح بخاری، ابو داؤد- صحیح)

5 عریانیت وفحاشی:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں دنیا میں تو لباس پہنے ہوئے ہوتیں ہیں مگر آخرت میں برہنہ ہوں گی۔" (صحیح بخاری، ترمذی- صحیح)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوتی ہیں، مردوں کی طرف مائل ہوجانے والی اور انکو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوتی ہیں۔ وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پاسکیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو اس کی خوشبو تو پانچ سو برس کی مسافت سے آرہی ہوگی۔" (مؤطا و صحیح مسلم وغیرھما، صحیح)

آج اگر ہم اپنے معاشرے پر نظر کریں تو یقیناً معلوم ہوگا کہ آج ہمارے اندر "جدید تہذیب" اور "فیشن" کے نام پر بے حیائی اور فحاشی و عریانیت کا ایک بہت بڑا سیلاب اُمڈ آیا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ ڈھانپ کر بھی بدن برہنہ ہیں... اب لباسوں میں بے لباسی ہے! وہ عورتیں جو باریک، تنگ اور چست اور مختصر لباس پہننے کی شوقین ہیں اور مغربیت کو اپنی زندگی کا لازمی جزء قرار ہیں، تو انہیں مذکورہ بالا آحادیث کے ذریعے اپنے انجام سے واقفیت ہوجانا چاہئے۔

6 قطع رحمی:

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: "قطع رحمی کرنے والا (رشتے ناطوں کو توڑنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا۔" (صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی- صحیح)

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:"رحم (صلہ رحمی) اللہ کے عرش کے ساتھ معلق ہے، جس نے اسے ملایا اللہ اسے ملادے گا اور جس نے اسے توڑا اللہ اسے توڑدے گا۔" (صحیح مسلم، مسندِ احمد- صحیح)

1 قطع رحمی کا مطلب رشتہ داروں سے برا سلوک کرنا اوران سے تعلقات کو توڑدینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جوڑنے کا حکم دیا ہے، پس جو اسے جوڑے گا یعنی قرابت داروں سے اچھا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت کے ساتھ جوڑدے گا۔ اور جو اسے توڑنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بھی تنہا چھوڑدے گا اور آخرت میں بھی جنت کے دروازے اس پر بند ہوں گے۔ اس لئے ہمیں رشتہ داروں کو ناراض کرنے سے باز رہنا چاہئے۔ اور ان کی جائز ضروریات کا ہر دم خیال رکھنا چاہئے۔

7 پڑوسی کو تنگ کرنا:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:"جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑاسی کو تکلیف نہ دے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم- صحیح)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:"اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ کون؟ فرمایا: جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی تنگ ہو۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم- صحیح)

8 تجارت میں غلط بیانی کرنا :

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:"تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے (قیامت کے دن) اللہ نہ توبات کرے گا، نہ انہیں نظرِ رحمت سے دیکھے گا، بلکہ ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ایسے لوگ تو پھر ہلاک وبرباد ہوگئے، آخر ہیں کون لوگ؟ فرمایا:-1 اپنے لباس کو ٹخنوں سے نیچے

لٹکانے والا،-2صدقہ کرکے احسان جتلانے والا-3 اور جھوٹی قسم کھاکر اپنا مال بیچنے والا۔"(صحیح مسلم،ابوداؤد،ترمذی،نسائی- صحیح)

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو دھوکا دینے سے باز نہیں آتے۔اور اپنے چند دنیاوی روپے بچانے کی خاطر اپنی آخرت داؤ پر لگادیتے ہیں۔اور اپنے کاروبار کو وسعت دینے اور زیادہ سے زیادہ مال کمانے کیلئے مسلسل جھوٹ اور فریب کا سہارالیتے ہیں۔وہ دیکھیں کہ ان کیلئے اس حدیثِ مبارکہ میں کس قدر سخت عذاب کی وعید ہے ۔حالانکہ قیامت کے دن تو تمام انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت کے بے حد محتاج ہوں گے۔اس لئے کہ اس کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہیں جاسکتا،حتیٰ کے اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔(صحیح مسلم،مسندِ احمد)۔پھر کہاں کہ کوئی عام سا شخص اللہ کی نظرِ رحمت کے حصول سے بے پروہ ہوجائے اور محض اپنی دنیا میں ہی مگن رہے اوراسے اپنی عاقبت کا کچھ خیال نہ ہو؟؟کیا ہم محض دنیا پرستی میں مگن ہوکر اپنے رب سے ملاقات کو اس حد تک بھول بیٹھے ہیں کہ ہمیں اپنے برے انجام کی فکر بھی نہیں رہی؟؟

9قوم پرستی اور عصبیت :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

الحجرات–13

" "اے لوگو!بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا،تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو(اور یادرکھو کہ)یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ اللہ کے قریب تر وہ ہے جو پرہیزگاری میں سب سے زیادہ ہے۔"

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

’ ’اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء واجداد کا فخر ہٹادیا ہے۔لوگ صرف دو طرح کے ہیں:

1 مومن اور پرہیزگار

2 یا فاجر اور بدبخت۔ پس تمام لوگ آدم کی اولاد میں سے ہیں اور آدم کو اللہ مٹی سے پیدا کیا ہے۔“(ترمذی، مسندِ احمد- صحیح)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:”جو شخص عصبیت کے جھنڈے تلے آتا ہے، عصبیت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، اور عصبیت پر کسی کی مدد کرتا ہو مر جاتا ہے تو ایسا شخص جاہلیت کی موت مرتا ہے۔(یعنی بغیر اسلام کی حالت میں مرتا ہے)“(صحیح مسلم، ابنِ ماجہ- صحیح)

کتنی بڑی دوغلی پالیسی ہے کہ آج کے دور کو ہم ”ترقی یافتہ “اور”جدید“دور کہتے نہیں تھکتے، مگر کام سارے وہ کرتے ہیں جو اسلام کے آنے سے بھی پہلے کے تھے۔یہ عصبیت ’لوگوں کا اپنے آباء واجداد کی نسبت فخر کرنا، اپنے مال ودولت پر ناز کرنا اور اپنی قوم اور قبیلے کی ناجائز اور بے جا حمایت کرنا۔اور اس کی جدید شکل آج یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی جماعتوں اور تنظیموں کی ہر جائز وناجائز بات کو تسلیم کرتے اور ان کیلئے لڑتے ہیں اور اگر اسی حالت میں بغیر توبہ کئے ہوئے وہ مر جاتے ہیں تو ان کی موت اسلام سے قبل کی جاہلیت کی موت کی طرح ہے، گویا انہوں نے اسلام کو پایا ہی نہیں۔اسلام ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر ایک انتہائی پرامن اور عدل وانصاف پر مبنی مذہب ہے۔اس کا کسی بھی قسم کی عصبیت اور ناانصافی سے کسی بھی قسم کا تعلق نہیں ہے۔اور جو لوگ اسلام کے آجانے کے بعد بھی قومی، علاقائی یا لسانی وجماعتی

وغیرہ کی عصبیت میں مبتلا ہیں اور بغیر توبہ کئے اسی پر مر جاتے ہیں تو ایسے لوگ اسلام سے ہٹ کر جاہلیت کی موت مرتے ہیں۔

(3) معاملات میں نرمی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے

فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ

خطبہ مسنونہ کے بعد... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾

الغاشیۃ-22/21

"پس آپ نصیحت کرتے رہیئے، آپ تو بس نصیحت کرنے والے ہی ہیں، نہ کہ ان پر چھا جانے والے (داروغہ)"

شریعتِ اسلامیہ ہمارے لئے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس نے ہمیں زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا، زندگی کے مختلف حالات اور طور اطوار میں شریعت کی تعلیمات وہدایات کے ذریعے ہمارے لئے رہنمائی کا سامان مہیا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مزاج مختلف بنائے ہیں۔ بہت دفعہ انسان ان تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے مزاج کو بھی شامل کرلیتا ہے اور بظاہر یہ سمجھتا ہے کہ وہ تعلیماتِ شریعت پر عمل کررہا ہے، حالانکہ درحقیقت وہ اس کا اپنا مزاج ہی ہوتا ہے۔ اس شریعت نے جہاں انسان کی عملی رہنمائی کی ہے، وہاں اس کے مزاج کی اصلاح وتربیت کے لئے نہ صرف واضح ہدایات دیں بلکہ اُسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ کے لئے ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بھیجا۔ اس سارے عمل کو قرآن کریم نے تعلیم وتزکیہ کے ایک جامع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّـهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

آلِ عمران-164

بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک طرف اپنی زبان سے لوگوں کو تعلیم دی تو اس کے ساتھ تربیت و اصلاح کیلئے ایک عملی کردار بھی پیش کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے ذریعے انسان کی عملی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج و فکر، جس پر انسانی رویے تشکیل پاتے ہیں، کی تربیت کا بھی بھرپور انتظام کر دیا، جس کی چھاپ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی زندگیوں میں تو انتہائی نمایاں تھی کیونکہ صحبت کا اثر ایسا بھی ہوتا ہے جو انسانی مزاج پر غیر شعوری طور پر اپنے اثرات چھوڑتا ہے۔

بعد میں ایک طبقہ نے اسے ایک فن کے طور پر اختیار کر لیا اور تزکیۂ نفس کے مصنوعی طریقے ایجاد کئے جنہیں 'تصوف کے طریقے' کہا جاتا ہے۔ لیکن پختہ فکر اور محتاط علما نے اس روش کو غلط قرار دیا اور واضح کیا کہ انسانی مزاج کی اصلاح و تربیت کے لئے تصوف کے ان مصنوعی طریقوں کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ شریعت کی تعلیمات اور اُسوۂ کامل ہر میدان میں کافی و وافی موجود ہیں۔ انسانی مزاج اور نفسیات کی تربیت کے لئے شریعت کی تعلیمات اتنی اعلیٰ ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے زندگی کے طور اطوار اور رویے ایک معتدل اور کامل انسان کے قالب میں ڈھل سکتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کے ظاہری اعمال کے محاسبہ کا تذکرہ کیا ہے، وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ انسانی مزاج اور باطنی کیفیات کا بھی محاسبہ ہوگا، کیونکہ رویوں اور اعمال کے ظہور میں درحقیقت انسان کی باطنی کیفیات اور نفسیات ہی کارفرما ہوتی ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

البقرۃ-284

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ اس کا حساب تم سے لے گا۔ پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ظاہری اعمال کے ساتھ باطنی کیفیت کی اصلاح و تربیت پر اس لئے زور دیا کہ اگر انسانی نفسیات متوازن اور پاکیزہ ہوں گی تو اس کے نتیجے میں تشکیل پانے والے اعمال اور رویے بھی پاکیزہ اور متوازن ہوں گے اور اگر انسانی نفسیات پراگندہ اور مزاج تند و تلخ ہوگا تو اس کے نتیجے میں ظہور میں آنے والے اعمال بھی یقیناً غیر متوازن ہوں گے۔

انسانی رویوں کا باطن اور دل کے ساتھ گہرا تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے خاص ایمان کی بنیاد پر اپنا اور انسانوں کا دوسروں کے ساتھ رویہ اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے کہ دوسرے شخص کے ساتھ رویہ اس بنیاد پر استوار ہونا چاہئے کہ وہ شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر ایمان رکھتا ہے تو اس کے ساتھ رویہ کیا ہو اور اگر ایمان نہیں رکھتا تو پھر کیا ہو؟ فرمانِ الٰہی ہے:

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

الانعام-54

اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو (یوں) کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے۔

لہٰذا جہاں ایمان موجود ہو اور مقصد نیک ہو، وہاں بد ظنی کی بجائے حسن ظن اور نرمی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ایسی صورتحال میں تو بسا اوقات سنگین ترین اجتہادی غلطی بھی نظر انداز کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایسے مواقع پر جہاں نیت کا فساد نہ ہوتا، بڑی سے بڑی غلطی کو نظر انداز کر دیتے۔ اس سلسلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے دورِ نبوت کا ایک سنگین ترین واقعہ ذکر کیا ہے جس میں ہمارے لئے رہنمائی کا کافی سامان ہے:

جب نبی ﷺ نے مکہ پر حملہ کا پروگرام بنایا تو ایک صحابیؓ (حاطب بن ابی بلتعہؓ) نے یہ سمجھ کر کہ آپ ﷺ تو اللہ کے رسول ﷺ ہیں، آپ کی فتح یقینی ہے، لہٰذا اس نے اپنے رشتہ داروں کو کفارِ مکہ کے شر سے بچانے کے لئے ان پر احسان کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اس نے کفارِ مکہ کو نبی ﷺ کے حملہ کی اطلاع دینے کے لئے ایک عورت کو رقعہ دے کر بھیجا۔ عورت نے وہ رقعہ اپنی چوٹی میں گوندھ لیا تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو اور مکہ کے راستہ پر چل پڑی۔

اس امر کی نبی ﷺ کو وحی سے اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور مقداد بن اسودؓ کو حکم دیا کہ جاؤ مکہ کے راستے خاخ مقام پر تمہیں ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک رقعہ ہے، وہ رقعہ برآمد کرنا ہے۔ دونوں صحابی گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں پہنچے۔ عورت کو روک لیا اور اسے رقعہ نکالنے کا کہا۔ اس نے انکار کیا اور تلاشی کے باوجود رقعہ برآمد نہ ہوا تو حضرت علیؓ نے دھمکی دی۔ جس سے مرعوب ہو کر اس نے بالوں کی چوٹی سے رقعہ نکال کر دے دیا۔ صحابہؓ کے اجتماع میں وہ رقعہ پڑھا گیا، جس میں اہل مکہ کو نبی ﷺ کے پروگرام کی اطلاع دی گئی تھی جس کے نیچے حاطب بن ابی بلتعہؓ کا نام تھا۔ تو حضرت عمرؓ شدید غصہ میں آگئے اور دربارِ رسالتؐ سے ان کا سر قلم کرنے کی اجازت طلب کی۔ معاملہ واقعی سنگین

تھا۔ اسلامی حکومت کی جاسوسی کی سزا بڑی سخت ہے۔ آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ سے پوچھا: بتاؤ! کیا معاملہ ہے؟ حاطب نے تمام صورتِ حال آپ ﷺ کے گوش گزار کر دی اور بتایا کہ میرا مقصد صرف اپنے رشتہ داروں کو اہل مکہ کے شر سے بچانا تھا، باقی میں ایمان کی حالت پر قائم ہوں۔ ادھر حضرت عمرؓ ان کو قتل کرنے پر مصر تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے عمرؓ! حاطب غزوہ بدر میں شریک ہو چکا ہے، لہٰذا ان سے نرمی کا سلوک ہونا چاہئے۔"

لعل الله عزّوجلّ اطلع على أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فإني قد غفرت لكم۔

توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدریوں کو جھانک کر کہہ دیا ہو، جو چاہو کرو! میں نے تمہارا سب کچھ کیا کرایا معاف کر دیا۔1

امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی کرے اور اس کی غلطی تاویل کی بنیاد پر اجتہادی ہو تو اس کے ساتھ ایک مرتد کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی فکری تربیت اس نہج پر کی کہ اجتہادی معاملات میں اختلاف اگر اخلاص پر مبنی ہوتا تو وہ اس میں کبھی سخت رویہ اختیار نہ کرتے اور دوسرے کی غلطی کو برداشت کرتے لہٰذا ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی فکر کو اس نہج پر استوار کرنے کی کوشش کرے۔

مشہور علمی مقولہ ہے:

ان الاجتهاد لا يُنقَض بالاجتهاد

ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد کو توڑتا نہیں ہے۔

اس نہج پر میری تربیت میں ایک واقعہ نے اہم کردار ادا کیا۔ میں نے دورِ طالب علمی میں ایک حدیث پڑھی کہ "اگر آدمی اپنے سامنے کوئی غلط کام دیکھے اور پھر اس پر خاموش رہے تو وہ گونگا شیطان ہے۔"

چوک دالگراں، لاہور میں ہمارے بزرگوں کی ایک بڑی مسجد ہے، جہاں میری جوانی کے ابتدائی سال گزرے۔ وہاں جب کوئی خطیب خطبہ دیتا اور بسا اوقات میری نظر میں کوئی بات مرجوح ہوتی خصوصاً اکثر خطیب عموماً مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں تو ایسے موقع پر خطبۂ جمعہ کے بعد میں اس حدیث کے تحت خطیب کی غلطی یا مبالغہ آرائی کی وضاحت ضروری سمجھتا، لیکن وہاں بزرگ علما کی موجودگی میں یہ طریقہ مجھے خود کوئی اچھا نہ لگتا۔ میں نے اس ذہنی الجھن اور کشمکش کا ذکر اپنے تایا اور استاذ گرامی حافظ عبداللہ محدث روپڑیر حمہ اللہ علیہ سے کیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ خطیب جب جوشِ خطابت میں کوئی بات کرتا ہے تو اس سے مبالغہ ہو ہی جاتا ہے، لیکن اس سے اس کا مقصد غلط نہیں ہوتا۔ اگر اجتہادی امور میں شریعت کو اس طرح تنگ کر دیا جائے تو پھر تو شریعت کی پیروی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر ایسا مسئلہ جس میں دو آرا ہوں، اس میں شدت کا رویہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، لہٰذا وہ حدیث یہاں لاگو نہیں ہوتی۔

اس کے بعد میری سوچ و فکر میں ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی اور اجتہادی مسائل میں میرا رویہ خاصا سلجھ گیا۔ پینتیس چالیس سال قبل کے مناظرانہ ماحول میں، جب کہ میں خود بھی اس وقت اسی ماحول کا حصہ تھا، مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ مناظرہ بازی میں افہام و تفہیم کے بجائے اصل مقصد مدمقابل کو شکست دینا ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں مجھے مناظروں سے نفرت

پیدا ہو گئی۔ واقعی اسلام عناد و تعصب کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

إن الله يحب الرفق

اللہ تو نرمی کو پسند کرتا ہے۔2

اور نرمی کا مفہوم امام ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"الرفق هو لين الجانب بالقول والفعل والأخذ بالأسهل وهو ضد العنف"

" آدمی قول و کردار اور ہر معاملہ میں آسان تر پہلو اختیار کرے اور اس کے مقابل لفظ شدت، تلخی اور سختی ہے۔"3

رسول اللہ ﷺ نے اجتہادی اختلافات اور غیروں کی تہذیب کی نقالی کے علاوہ عام اجتماعی معاملات میں بھی شدت، غلو اور سختی کو سخت ناپسند کیا ہے اور شدت کے رویہ پر سخت وعید سنائی ہے۔

جب صحابہ کرامؓ کفار کے ظلم و ستم کی شکایت کر کے آپ ﷺ سے کفار کے خلاف بد دعا کی درخواست کرتے تو آپ ﷺ فرماتے:

" مجھے بد دعائیں اور لعن طعن کرنے والا نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

البتہ آپ ﷺ کو شدت اور انتہا پسندی اس قدر ناپسند تھی کہ آپ ﷺ نے سخت رویہ رکھنے والوں کے خلاف ان کا نام لیے بغیر ان الفاظ میں بد دعا کی ہے:

اللهم من ولي من أمر أمتي شيئا فشق عليهم، فاشقق عليه ومن ولي من أمر أمتي شيئا فرَفق بهم فارفق به

" اے اللہ! جو شخص میری اُمت کے کسی اجتماعی معاملہ کا ذمہ دار ہو، پھر وہ ان پر سخت رویہ رکھے تو اے اللہ! تو اس پر سخت ہو جا اور جس کا رویہ نرم ہو، تو اس پر نرم ہو جا۔"4

چنانچہ جو شخص اجتہادی اختلافات اور باہمی اجتماعی معاملات میں نرمی و ملائمت اور لطافت و بردباری کو اختیار کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے جہنم سے آزادی کی اور جنت کی نوید سنائی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

حرم علی النار کل ھین لین سھل من الناس

' 'اس شخص پر جہنم حرام کر دی گئی ہے جو نرم خو ہو اور لوگوں کے لئے اس کے ساتھ معاملہ کرنا آسان ہو۔ نیز اس کا رویہ لوگوں کے ساتھ قربت کا ہو۔"5

نبی کریم ﷺ نے مؤمن کا رویہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"المؤمن غِرٌّ کریم والفاجر خِبٌّ لئیم"

' 'مؤمن روشن دماغ (نرم خو) اور سخی دل ہوتا ہے جب کہ فاسق و فاجر تنگ ظرف اور کمینہ ہوتا ہے۔"6

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ علیہ نے التمہید میں المؤمن سہل کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ اور یہی وہ رویہ ہے جس کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کی ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ

الغاشیۃ- 22/21

پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

نصیحت کرتے ہوئے بھی ہمارا رویہ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ آدمی دوسرے پر مسلط ہو جائے اور قابو س کی طرح چھا جائے۔ یعنی نصیحت کرتے وقت خوف و ہراس کی فضا قائم نہ کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ رفق، غلو و شدت سے گریز اور آسانی شریعتِ اسلامیہ کا عمومی مزاج ہے اور اسلامی تعلیمات کا حسن اسی وصف "رفق" سے وابستہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

إن الرفق لا يكون في شيء إلا زانه ولا ينزع من شيء إلا شانه

" "جس چیز میں بھی نرمی کا رویہ کارفرما ہو، وہ چیز حسین بن جاتی ہے اور جو چیز اس وصفِ رفق سے محروم ہو جائے، وہ چیز بدنما ہو جاتی ہے۔7

نبی ﷺ نے ہمیشہ آسانی کے رویہ کو پسند کیا ہے، ایک حدیث میں میں آتا ہے:

ما خُيِّر النبي ﷺ بين شيئين إلا أخذ أيسرهما ما لم يكن إثما

جب نبی ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ ہمیشہ ان میں سے آسان تر کو اختیار کرتے۔8

چنانچہ ایک مربی، عالم اور مفتی کا یہ بنیادی وظیفہ ہے کہ وہ اس صفت سے متصف ہو۔ اس کے لئے نبی ﷺ کا انداز ہی ہمارے لئے اُسوہ ہے، دیکھئے آپ ﷺ اس سلسلہ میں کس قدر حکمت اور دھیما انداز اختیار کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت اُمّ سلمہؓ کے ایک بیٹے عمر بن ابی سلمہ آپ ﷺ کے زیر پرورش تھے۔ نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے جب کہ ابھی بچے تھے۔ ایک دفعہ کھانا کھاتے ہوئے سالن کے برتن میں ادھر ادھر ہاتھ مار رہے تھے۔ نبی ﷺ نے دیکھا تو اسے فوراً روکا نہیں، بلکہ پہلے (ادنُ مني يا بُنيَّ) "اے میرے پیارے بیٹے! میرے قریب آؤ۔" کہہ کر اس کے ساتھ محبت و اُنس کا اظہار کیا اور پھر فرمایا کہ دیکھو کھانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے سامنے سے کھائے۔ آپؐ نے ایک اور موقع پر اس کی مصلحت یہ بتائی:

إن البركة تنزل في وسط الطعام فكلوا من حافاته ولا تأكلوا من وسطه

" 'برکت کھانے کے درمیان میں اُترتی ہے، لہٰذا پہلے تم اس کے کناروں سے کھاؤ، اس کے درمیان سے نہ کھاؤ۔"9

شریعت کے اس مجموعی اور عمومی مزاج کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ فقہا نے مزاج شریعت سے بعض نہایت اہم قانونی ضابطے وضع کئے جنہیں فقہی مسائل کے استنباط میں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ان کے لئے القواعد الفقہیۃ (Legal Maxims) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

مشہور قاعدہ فقہیہ ہے: "المشقۃ تجلب التیسیر" اسلام نے ہر مشقت کے وقت آسانی کی راہ پیدا کی ہے۔ "چنانچہ قرآنِ کریم نے اسی اُصول کے پیش نظر ہی نابالغ بچوں اور بے رغبت ماتحتوں سے پردے میں زیادہ سختی نہیں کی۔ حالانکہ بچوں کے اندر جنسی اُمور کا احساس موجود ہوتا ہے اور جنسی معاملات سے وہ کافی حد تک واقف بھی ہوتے ہیں، لیکن اس حکمت کے تحت کہ وہ الطوافین والطوافات میں سے ہیں (ان کا آنا جانا عموماً زیادہ ہوتا ہے) ان سے پردہ میں یقینا مشکل پیدا ہوتی، لہٰذا مذکورہ مصلحت کے تحت ان سے پردہ کو ضروری قرار نہیں دیا لیکن احتیاط کے طور تمام بچوں اور غلاموں پر بھی ان تین اوقات میں آنے جانے پر قدغن عائد کر دی:

مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ

النور - 58

" 'صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کو جب تم کپڑے اُتار کر رکھ دیتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے لئے بے حجابی کے ہوتے ہیں۔"

اس کے علاوہ فقہاے اسلام نے متعدد احکام میں اس قاعدہ کو ملحوظ رکھا ہے، مثلاً بارش کے دوران کپڑوں پر پڑنے والے کیچڑ سے کپڑوں پر ناپاک ہونے کا حکم اس لئے نہیں لگایا کہ اس میں مشکل پیدا ہو جاتی۔ اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ خواتین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم (لمبی چادروں میں) ناپاک اور گندی جگہ سے گزر کر آتی ہیں تو کیا اس سے ہماری زمین پر گھسٹی چادریں ناپاک ہو جاتی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

' 'کیا گندی جگہ سے گزرنے کے بعد تم صاف جگہ سے نہیں گزرتیں؟'

'

جوتوں اور ننگے پاؤں والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت نے ہر مشکل میں آسانی کا پہلو بہر حال ملحوظ رکھا ہے۔ اس میں ہمارے لئے تربیت کا پہلو یہ ہے کہ شریعت کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اور باہمی اختلافات اور انتظامی معاملات میں اگر ہم نرمی اور آسانی کے رویہ کو پیش نگاہ نہیں رکھیں گے تو زندگی بدنما اور اجیرن بن جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہر معاملہ کی خوبصورتی یا بدنمائی اسی صفتِ رفق سے وابستہ ہے۔ رفق و آسانی یقیناً شریعت کا عمومی مزاج اور شدت و غلو اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

من یحرم الرفق یحرم الخیر

' 'جو شخص (شریعت کے اس مزاج سے ناآشنا اور) رفق و آسانی سے محروم ہے ،وہ خیر و برکت سے بھی محروم کر دیا گیا۔"10

اپنی زوجہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا:

’’اے عائشہ! نرمی کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی گھرانہ کے ساتھ خیر بھلائی کا ارادہ کریں تو رِفق کا دروازہ ان کے لئے وا کر دیتے ہیں۔‘‘11

ان تعلیماتِ نبوی ﷺ میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہم شریعت کے اس عمومی مزاج کے مطابق اپنی زندگی اور قول و کردار کو ڈھالیں۔ یہی گوشۂ عافیت ہے اور اسی میں ہی دنیا و آخرت کی بھلائیاں پنہاں ہیں۔[خطبہ جمعہ:24/مارچ2006ء... بمقام مسجد جامعہ لاہور الاسلامیہ]

حوالہ جات

1. صحیح بخاری:4890
2. صحیح بخاری:6927
3. فتح الباری:10/449
4. صحیح مسلم:1828
5. مسند احمد:1/415
6. جامع ترمذی:1966، صحیح
7. صحیح مسلم:2594
8. صحیح بخاری:3560
9. مستدرک حاکم:4/129
10. صحیح مسلم:2592
11. مسند احمد:6/104

(4) عید میلاد النبی ﷺ ایک مطالعاتی جائزہ

الشیخ جمشید سلطان عوان حفظہ اللہ

الحمدُ للہ والصلوٰۃ والسلامُ علیٰ رسول اللہ وعلیٰ أٰلہ وصحبہ وأزواجہ ومن والاہ وبعدُ۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ

التوبة-36

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار حرمت و ادب کے ہیں، یہی درست دین ہے، تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور اس میں نوع انسانی کے لئے ہر شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی فراہم کی گئی ہے، سال میں بارہ مہینے مقرر کئے گئے ہیں ان میں تیرا مہینہ ربیع الاول کا مہینہ ہے۔

اسلامی تاریخ میں اس مہینہ کی اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس مہینہ میں دونوں جہانوں کے سردار سرورِ کونین نبی رحمت محمدِ مصطفی ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، اور اسی مہینہ میں آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے اور اسی مہینہ میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی اور اسی مہینہ میں سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ

عنہ وارضاہ کے ہاتھ پر مسلمانوں نے بیعت کی ۔چنانچہ ماہ "ربیع الاول " اللہ کی طرف سے مقرر کردہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے ، جِس کے بارے میں قُرآن وسُنّت میں ایسی کوئی فضلیت نہیں ملتی جیسی رمضان کے مہینہ کی یا ذوالحج کے مہینہ کی ہے۔

لیکن ہمارے معاشرے میں اِس مہینہ کو بہت ہی زیادہ فضلیت والا مہینہ جانا جاتا ہے اور اِس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اِس ماہ کی بارہ تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی، اور پھر اِس تاریخ کو عید کے طور پر منایا جاتا ہے، اور جو کچھ "عید میلاد النبی "منانے کے لئے کیا جاتا ہے وہ کِسی سے بھی پوشیدہ نہیں ، مسلمانوں کا ایک مخصوص فرقہ اس پر بے وجہ کے دلائل دینے کی کوشش کرتا ہے۔ عید میلاد النبی کو عید ثالث کا نام بھی دیا جاتا ہے، سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اِس عید میلاد کی اپنی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اِس میں کئے جانے والے کاموں کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ عام آدمی بھی جانتا ہے کہ عید کے دن میں اختلاف نہیں ہوتا- مثلا عید الفطر یکم شوال کو ہوتی ہے، کبھی کسی نے نہیں کہا کہ اس مرتبہ عید 5 شوال کو ہو گی یا 28 رمضان کو ہو گی، ایسے ہی عید الاضحی 10 ذوالحج کو ہوتی ہے، کبھی کسی نے نہیں کہا کہ اس مرتبہ عید الاضحی 4 یا 5 ذوالحج کو منائیں گے- اس لیے کہ ان عیدوں کا اسلام نے ایک دن متعین فرمایا ہے- شروع اسلام سے لے کر آج تک ان میں اختلاف نہیں ہوا، اختلاف اس میں ہوتا ہے جسے بعد میں لوگ اپنی طرف سے شروع کر دیں، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دن مقرر نہیں کیا ہوتا یہی حال اس من گھڑت عید میلاد کا ہے کہ انسان شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ وہ اگر اسے عید سمجھ لے تو کس دن منائے!

اس اختلاف کو ہم آپ کے سامنے مختصراً ذکر کرتے ہیں آپ غور فرمایئے ہر گروہ کے نزدیک رسولِ اکرم ﷺ کی پیدائیش کا ایک علیحدہ دن ہے۔

)۱ (پہلا قول: 5 ربیع الاول۔

امیر الدین نے "سیرت طیبہ" میں لکھا ہے "قول مختار یہ ہے کہ 5 ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے"۔[1]

)۲ (دوسرا قول: 8 ربیع الاول۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ متوفی 751ھ نے لکھا ہے کہ: "جمہور اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ 8 ربیع الاول کو رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی"[2]۔

امام ابن کثیر[3] رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: امام مالک، امام زہری، امام ابن حزم حافظ محمد بن موسیٰ الخوارزمی رحمہم اللہ کی رائے ہے کہ: ولادت رسول ﷺ 8 ربیع الاول کو ہوئی۔ اور ابو خطاب دحیہ نے اپنی کتاب "التنویر فی المولد البشیر" میں اسی رائے کو راجح کہا ہے ۔[4]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ [5] نے ذکر کیا ہے کہ: احمد بن البراء نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ پیر کے دن 8 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔[6]

)۳ (تیسرا قول: 9 ربیع الاوّل۔

برصغیر میں اکثر سیرت نگاروں نے 9 ربیع الاول کو یوم ولادت قرار دیا ہے- چند ایک حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں "ہمارے نبی ﷺ موسم بہار، دوشنبہ کے دن 9 ربیع الاول کو پیدا ہوئے"۔[8]

علامہ صفی الرحمن مبارکپوری نے اپنی مشہور کتاب "الرحیق المختوم" میں بھی 9 ربیع الاول کی تاکید کی ہے اور کہا کہ محمود پاشا فلکی کی تحقیق بھی یہی ہے۔ الرحیق المختوم (اردو) ص ۸۳

اکبر نجیب آبادی لکھتے ہیں "9 ربیع اول 571ء بروز سوموار از صبح صادق اور قبل طلوع آفتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے"۔] 9[

معین الدین ندوی کہتے ہیں "عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل 571ء، 9 ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر فرزند تولد ہوا- بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کی پیدائش کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود کو خانہ کعبہ لے جا کر اس کے لیے دعا مانگی۔] 10[

احناف میں سے زاہد الکوثری اور ابو الحسن ندوی نے بھی ولادت رسول ﷺ کی تاریخ 9 ربیع الاول لکھی ہے۔

چودھری افضل حق:

20 اپریل 571ء مطابق 9 ربیع الاول دوشنبہ کی مبارک صبح قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں مصروف تھے کہ آج دعائے خلیل اور نوید مسیحا مجسم بن کر دنیا میں ظاہر ہو گی۔]11[

اسی طرح ابوالکلام آزاد نے "رسول حرمت" اور ڈاکٹر اسرار احمد نے "رسول کامل" صفحہ 23 اور حفظ الرحمن سوہیاروی نے قصص القرآن جلد 4 میں 9 ربیع الاول کو پیدائش کا دن قرار دیا ہے۔

۴) (چوتھا قول: 10 ربیع الاوّل۔

ابن سعد [12] نے لکھا ہے کہ: ماہ ربیع الاول کی 10 راتیں گذریں تھیں کہ دوشنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے]13-[

)۵ (پانچواں قول:12 ربیع الاوّل۔

اور جن مورخین نے نبی ﷺ کی تاریخ ولادت 12 ربیع الاول کو راجح کہا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن اسحٰق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عام الفیل میں 12 ربیع الاول کو پیر کے دن پیدا ہوئے۔ "مزید کہا کہ یہی جمہور اہل علم کے یہاں بھی مشہور ہے ،واللہ اعلم"[14]۔

محمود احمد رضوی نے لکھا ہے " واقعہ فیل کے پچپن روز کے بعد 12 ربیع الاول مطابق 20 اپریل 571ء کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی"[15]۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں "12 ربیع الاول کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز گیتی ہوئے]-16[

12 ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی[17]۔

(6) چھٹا قول:10 محرّم۔

جبکہ شیخ عبد القادر الجیلانی رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کی پیدائش کی تاریخ 10 محرم الحرام لکھی ہے۔]18[

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر میلاد کا دن منانا عبادت ہوتا یا کم از کم جائز ہی ہوتا تو مؤرخین اور علماء اہل سنت کا اس میں اتنا اختلاف نہ ہوتا اور اگر فرضاً مان بھی لیا جائے کہ آپ ﷺ کی ولادت کی تاریخ 12 ربیع الاول ہی ہو جبکہ اس میں مؤرخین کا شدید اختلاف ہے، تو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ:

یہی تاریخ آپ ﷺ کی "تاریخِ وفات" بھی ہے اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ملاحظہ فرمائیں:

تاریخ وفاتِ رسول ﷺ!

امام طبری[19] نے لکھا ہے کہ:

امام واقدی اور امام جعفر نے فرمایا کہ آپ ﷺ 12 ربیع الاول کو وفات فرما گئے [20]۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں:

آپ ﷺ 12 ربیع الاول پیر کے دن دوپہر وفات پا گئے[21]۔

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی تاریخ کی توثیق ہوتی ہے[22]۔

لہذا مسلمان اس دن جشن یا عید کس طرح منا سکتے ہیں؟؟؟

اگر کوئی انسان کسی تاریخ کو پیدا ہوا ہو، اور اسی تاریخ پر اس کی وفات ہوئی ہو تو اس دن سوگ منایا جائے گا نہ کہ خوشی!

جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس دن کو تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنی زندگی کا المناک دن سمجھا ہے۔

جیسا کہ بخاری شریف میں آتا ہے:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا موقف:

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ زوجہ محترمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے وفات پائی تو سیدنا ابو بکر مقام سخ میں تھے (راوی حدیث اسماعیل کہتے ہیں کہ سخ مدینہ کے بالائی حصہ میں ایک مقام ہے) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے کھڑے

ہوئے کہ واللہ ،رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے واللہ ،میرے دل میں بھی یہی تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اٹھائے گا اور آپ ﷺ چند لوگوں کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالیں گے، اتنے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور کھولا آپ ﷺ کا بوسہ لیا اور فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ ﷺ حیات و ممات میں پاکیزہ ہیں اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ آپ کو دو موتوں کا مزہ کبھی نہیں چکھائے گا (یہ کہہ کر) پھر اس کے بعد باہر آ گئے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے قسم کھانے والے صبر کرو۔ جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باتیں کرنے لگے تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ گئے۔ پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور کہا خبردار ہو جاؤ جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے تو ان کو معلوم ہو کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں وہ مطمئن رہیں کہ اُن کا رب زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور (قرآن کریم کی آیت دلیل کے طور پر بیان فرمائی) فرمایا: اللہ کا ارشاد ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقینا مر جائیں گے اور یہ لوگ بھی مر جائیں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر بھی بہت سے رسول گزر چکے اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم مرتد ہو جاؤ گے؟ اور جو شخص مرتد ہو جائے گا وہ خدا تعالیٰ کو ہرگز کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو اچھا بدلہ دے گا"۔ سب لوگ (یہ سن کر) بے اختیار رونے لگے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

’ ’جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس دن سے زیادہ قبیح اور تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا“[23]۔

تو اس دن کو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاریک دن سے تشبیہ دی ہے۔

ابن الحاج کہتے ہیں:

میرے تعجب کی تو حد ہی نہیں کہ کیسے یہ لوگ ”میلاد“ مناتے ہیں اور اس میں نغمے گاتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اسے میلاد مصطفیٰ ﷺ سمجھتے ہیں جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اسی مہینہ مبارکہ میں آپ ﷺ اپنے کریم رب کی طرف تشریف لے گئے تھے اور امت کو اچانک دھچکہ لگا اور اُن پر عظیم مصیبت آن پڑی جس کی کوئی مثال نہیں ، ہونا تو یہ چاہئے کہ ہر انسان کے دل میں اس دن غم کی سی کیفیت ہونی چاہئے اور اُسے رونا چاہیے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس دن بہت سے عجیب قسم کے رقص اور کھیل تماشہ برپا کئے جاتے ہیں اور نبی ﷺ کے فراق میں نہ ہی کوئی غم کرتا ہے اور نہ ہی روتا ہے[24]۔

’ ’میلاد النبی ﷺ کے نام پر جشن وعید کی ابتداء: ‘ ‘

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم، نیز تابعین عظام رحمہم اللہ اور ان کے بعد کے ادوار میں ”عید میلاد“ کا کوئی تصور نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ خود ۶۳ سال کم و بیش حیات رہے اور سب سے آخری صحابیِ رسول نے ۹۳ ھ میں وفات پائی اور ان 143 سال میں کسی سے بھی 12 ربیع الاول کو عید منانا ثابت نہیں۔

کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین و تبع تابعین و ائمہ کرام رحمہم اللہ کو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی نہیں تھی؟

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بدعت بہت بعد میں ایجاد ہوئی یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کا انکار میلاد منانے والے بھی نہیں کر سکتے۔

لہٰذا جب یہ بات مسلم ہے کہ اس عمل کی ایجاد بعد میں ہوئی تو ہمیں یہ ضرور پتہ لگانا چاہئے کہ اس کی ایجاد کب ہوئی ؟اور اسے ایجاد کرنے والے کون لوگ تھے ؟ اس سلسلے میں جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس بدعت کی ایجاد فاطمی دور (362ھ تا567ھ) کے دوران ہوئی۔

اور اسے ایجاد کرنے والے بھی فاطمی خلفاء ہی تھے، اہل السنہ کے ائمہ نہیں۔

علامہ مقریزی لکھتے ہیں:

فاطمی خلفاء کے یہاں سال بھر میں کئی طرح کے جشن اور محفلوں کاانعقاد ہوتا تھا اور وہ یہ ہیں:

سال کے اختتام کا جشن ،نئے سال کا جشن، یوم عاشوراء کا جشن، اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن[25]۔

یہی بات علامہ احمد قلشقندی رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے[26]۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چوتھی صدی سے ہوا۔]27[

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ "عید میلاد" فاطمی دور (362ھ تا567ھ کے درمیان) میں ایجاد ہوئی اور اسے ایجاد کرنے والے فاطمی خلفاء ہی تھے۔]28[

فاطمی خلفاء کی حقیقت:

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس بدعت کو ایجاد کرنے والے فاطمی خلفاء کون تھے ؟

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فاطمی خلفاء، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہرگز نہیں تھے بلکہ یہ اپنی نسبت تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف کرتے تاکہ لوگوں کو اہل بیت کا نام لیکر دھوکے میں مبتلا کیا جاسکے اور درحقیقت یہ لوگ یہودیوں اور مجوسیوں کی

نسل سے تھے اور اسلام کے کٹر دشمن تھے، انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے اسلام کالبادہ اوڑھ لیا اور سراسر جھوٹ اور فریب کا سہارا لیتے ہوئے اپنے آپ کو فاطمی النسل ظاہر کیا، لیکن علماءِ وقت نے ان کے اس جھوٹ کا پردہ چاک کر دیا اور صاف اعلان کر دیا کہ یہ لوگ فاطمی النسل ہر گز نہیں ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں: "واہل العلم بالأنساب من المحققین ینکرون دعواہ فی النسب "علم انساب کے ماہرین علماء نے ان کے فاطمی النسل ہونے کے دعوی کی تردید کی ہے[29]، بلکہ 402ھ میں تو اہلِ سنت کے اکابر کی ایک میٹینگ ہوئی جس میں چوٹی کے محدثین، فقہاء، قاضیان اور دیگر بزرگان نے شرکت کی اور سب نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ:

خود کو فاطمی النسل ظاہر کرنے والے خلفاء جھوٹے اور مکار ہیں اہلِ بیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، پھر علماء کے اس متفقہ فیصلہ کو تحریری شکل میں لکھا گیا اور تمام حاضرین نے اس پر دستخط کئے۔] 30[

علماء کی اس متفقہ تحریر میں فاطمیوں کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی گئی ہے":

مصر کا یہ بادشاہ حاکم اور اس کے تمام اگلے سربراہان، کافر، فاجر، فاسق، ملحد، زندیق، فرقہ معطلہ سے تعلق رکھنے والے، اسلام کے منکر اور مذہب مجوسیت اور ثنویت (بت پرستی) کے معتقد تھے۔ ان تمام لوگوں نے حدود شرعیہ کو بے کار کر دیا تھا حرام کاریوں کو مباح کر دیا تھا، مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہایا، انبیاء کرام علیہم السلام کو گالیاں دیں، اسلاف پر لعنتیں بھیجیں، خدائی کے دعوے کئے یہ ساری باتیں ۴۰۲ھ میں ہر طبقہ کے بے شمار آدمیوں کی موجودگی میں لکھی گئی ہیں.... اور بہت سے لوگوں نے اس میں دستخط کئے ہیں اسی پر بس نہیں بلکہ بعض علماء نے اپنی بعض کتابوں میں ان کے کفر و فسق پر خصوصی بحث کی ہے مثلاً:

امام غزالی نے اپنی کتاب "فضائح الباطنیۃ" میں ایک خصوصی بحث کرتے ہوئے انہیں خالص کافر قرار دیا۔][31

بلکہ بعض علماء نے تو ان کے خلاف مستقل کتاب لکھ ڈالی ہے مثلاً: امام قاضی ابو بکر الباقلانی رحمہ اللہ نے کتاب لکھی اور اس میں ثابت کیا کہ فاطمی مجوسیوں کی اولاد ہیں اور ان کا مذہب یہود و نصاری کے مذہب سے بھی بدتر ہے[32]۔

یہ تو علماء اہل سنت کا فیصلہ ہے ،لطف تو یہ ہے کہ وہ معتزلہ اور شیعہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل کسی کو نہیں سمجھتے انہوں نے بھی فاطمیوں کو کافر اور منافق قرار دیا ہے۔][33

الغرض یہ کہ جمہور امت نے انہیں کافر و فاسق قرار دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" اسی طرح فاطمیوں کا نسب بھی جھوٹا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جمہور امت فاطمیوں کے نسب کو غلط قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ مجوسیوں یا یہودیوں کی اولاد ہیں ،یہ بات مشہور و معروف ہے اس کی گواہی حنفیہ، مالکیہ ،شافعیہ،حنابلہ،اہل حدیث ،اہل کلام کے علماء،نسب کے ماہرین اور عوام وخواص سب دیتے ہیں[34]۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ "عید میلاد" کی ایجاد کرنے والے مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہودیوں اور مجوسیوں کی ایجاد ہے انہوں نے گہری سازش کرکے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور اپنی حقیقت چھپانے اور عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے خود کو فاطمی النسل کہا اور اپنے اس دعوی کو مضبوط بنانے کے لئے محبّت کے نام پر "عیدِ میلاد" کی رسم ایجاد کی، تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ واقعی یہ لوگ اہلِ بیت میں سے ہیں۔

مسلمانوں میں اس بدعت کا رواج:

فاطمی دور کے مسلمانوں نے فاطمیوں کی ایجاد کردہ بدعت کو قبول نہیں کیا اور یہ بدعت صرف فاطمی خلفاء ہی تک محدود رہی ۔ لیکن تقریباً دوسو سال کے بعد "عمر بن محمد" نام کا ایک مُلا اور مجہول الحال شخص ظاہر ہوا اور اس نے اس فاطمی بدعت کی تجدید کی ۔ اور "ابو سعید الملک المعظم مظفر الدین بن زین الدین کوکبوری" نامی بادشاہ جو ایک عیّاش اور بداخلاق بادشاہ تھا اور لہو لعب، گانے ،باجے کی محافل میں مشغول رہنا اس کا مشغلہ تھا، بلکہ وہ صرف نچاتا ہی نہیں ، خود بھی ناچتا تھا، اس بداخلاق بادشاہ نے اس بدعت کو مسلمانوں میں رائج کیا[35]۔

اس کے بعد "ابو الخطاب بن دحیہ" نامی ایک کذاب اور بد دماغ شخص نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے اس موضوع پر ایک کتاب لکھ ڈالی، پوری دنیا میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے اس مؤلف کو تمام ائمہ کرام نے متفقہ طور پر کذاب (حد سے زیادہ جھوٹا) کہا ہے۔

ابن نجار کہتے ہیں: تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن دحیہ جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا ہے اور یہ اس شخص سے روایت سننے کا دعوی کرتا جس سے اس نے ہر گز نہیں سنا اور اس شخص سے ملاقات کا دعوی کرتا جس سے وہ ہر گز نہیں ملا۔]36[

اور حافظ ابن حجر اس کے بارے میں محدثین کا فیصلہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ابن دحیہ ائمہ اور سلف کی شان میں گستاخی کرنے والا تھا، یہ بدزبان، احمق اور بڑا متکبر تھا]37[

اور حافظ سیوطی لکھتے ہیں: "ابن دحیہ اپنی عقل سے فتوی دے دیتا پھر اس کی دلیل تلاش کرنے لگ جاتا اور جب اسے کوئی دلیل نہ ملتی تو اپنی طرف سے

حدیث گھڑ کے پیش کر دیتا، مغرب کی نماز میں قصر کرنے کی حدیث اسی نے گھڑی ہے۔] 38[

قارئین کرام!

یہ ہے "جشن وعید میلاد" کی تاریخ:

جو یہودیوں کے ایجنٹ فاطمیوں کے دور کی ایجاد ہے، اور اسے مسلمانوں میں رائج کرنے والے عیاش، فاسق و فاجر، گانے، باجے و شراب کے رسیا، انتہائی بداخلاق حکمران تھے، اور اس سے متعلّقہ روایات کو گھڑنے والے راوی، ائمہ کرام و محدّثین کے نزدیک انتہائی جھوٹے، کذّاب اور وضاع تھے اور اسے مسلمانوں میں ترویج دینے والے نام نہاد و حکمرانوں کا قرب رکھنے والے مُلا تھے، اگر کوئی بھی صرف انہی باتوں پر غور کرلے تو وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ اسلام میں اس عمل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور سب سے بڑھ کر اگر اس عمل کا تعلق اللہ یا اُس کے رسول ﷺ کی محبّت سے ہوتا تو وہ اصحابِ محمد رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے اپنی جانوں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے لیے قربان کر دیا، وہ کم از ایک مرتبہ تو علی الاعلان یا خفیہ کبھی بھی میلادِ مصطفی ﷺ کے موقع پر جشن مناتے، جلسہ جلوس نکالتے، تقاریب منعقد کرتے، ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے وغیرہ وغیرہ جس کا ثبوت کوئی بھی کسی بھی معتبر حدیث و تاریخ کی کتاب میں صحیح سند سے ثابت شدہ روایت میں نہیں دکھا سکتا۔

'عید میلاد" کی شرعی حیثیت:

قرآن و حدیث کی رو سے اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ "عید میلاد" بدعات میں سے ایک بدترین بدعت ہے، بہت سارے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ قران وحدیث میں اگر عید میلاد کا حکم نہیں ہے تو اس

کی ممانعت بھی نہیں ہے، حالانکہ یہ غلط خیال ہے کیونکہ عید میلاد کی ممانعت اور اس کا بطلان قران وحدیث دونوں میں موجود ہے لیکن قران وحدیث کی یہ دلائل دیکھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ قران وحدیث میں بعض چیزوں کو عام طور پر باطل قرار دیا گیا ہے اور کسی خاص چیز کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ لہذا یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کی اس کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہیں ہے، مثال کے طور پر پوری امت کے نزدیک کافر قرار دئے گئے "مرزا غلام احمد قادیانی" کا نام قران وحدیث میں کہیں نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود پوری امت کا ماننا ہے کہ قران وحدیث کی رو سے قادیانی کی نبوت باطل ہے، کیونکہ قرآن میں جو یہ کہا گیا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے گا اس کی نبوت باطل ہے تو اس بطلان میں قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے۔ اسی طرح حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا یعنی آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے گا اس کی نبوت باطل ہے تو اس بطلان میں قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے۔ ٹھیک اسی طرح عید میلاد بھی قرآن وحدیث کی رو سے باطل ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالی ہے کہ:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ

المائدۃ-3

آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

یعنی اب اگر کوئی دین میں کسی نئ چیز کا دعوی کرے گا تو وہ باطل ہے، عید میلاد بھی دین میں نئ چیز ہے لہذا قرآن کی اس آیت کی روشنی میں باطل ہے، اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے" (یعنی اُس کا وہ عمل بھی اور وہ خود بھی مردود ہیں)۔[39]
اور عید میلاد بھی دین میں نئی چیز ہے لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں باطل ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ

الحجرات–1

اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے مت بڑھو

یعنی دین میں جس عمل کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نہ دیں اسے مت کرو، اور جو دینی عمل خود پیغمبر ﷺ نے نہیں کیا وہ تم بھی نہ کرو، عید میلاد منانے کا حکم نہ اللہ نے دیا اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ نے، اور یہ عمل بھی اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں کیا۔ لہٰذا قرآن کی اس آیت کی رو سے بھی عید میلاد کی ممانعت واضح ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پس جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو عنقریب وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے نواجذ (ڈاڑھوں) سے محفوظ پکڑ کر رکھو اور دین میں نئے امور نکالنے سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے[40] یعنی دین میں جس عمل کا حکم نہ ہو اسے مت کرو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید میلاد قران وحدیث کی روشنی میں باطل اور ممنوع ہے۔ لہٰذا اب یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ عید میلاد منانے کا حکم

نہیں ہے تو اس سے منع بھی نہیں کیا گیا ہے کیونکہ قران و حدیث سے اس کا بطلان اور اس کی ممانعت گذشتہ سطور میں واضح کر دی گئی ہے۔

واضح رہے کہ جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تعلق ہے تو اس سے کسی کو انکار نہیں، بلکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں، لیکن محبت کا طریقہ بھی کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے ثابت ہونا چاہئے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم سب سے زیادہ اللہ کے نبی ﷺ سے محبت کرنے والے اور آپ ﷺ کی اتباع اور سنت کو جاننے میں سب سے زیادہ حریص تھے اور اس محبت اور حرص سنت کے باوجود تاریخ میں ان سے اور ان کے بعد والے اچھے دور (قرون الفاضلہ) میں سے کسی سے میلاد منانے کا ایک واقعہ بھی ثابت نہیں جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ سے محبت تو ان کی سنت سے محبت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔

چناچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ

البقرة–137

اگر وہ تم جیسا یعنی (صحابہ جیسا) ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں"۔

ایک اور فرمان ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

النور–63

’’سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے‘‘۔

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پیر کے دن اور جمعرات کے دن کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن (یعنی پیر کے دن) میری پیدائش ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل کیا گیا۔ (یعنی شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھنا پسندیدہ ہے، جو کہ ایک مسنون عبادت ہے)[41]۔

یہ بھی جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر پیر کے دن کا روزہ دو وجوہات کی بناء پر رکھتے:

ایک وجہ یہ کہ آپ ﷺ اس دن پیدا ہوئے اور دوسرا اسی دن آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا گیا اور یہ روزہ 12 ربیع الاول کو نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر پیر (سوموار) کو رکھتے تھے، یہ تھا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور سنت جبکہ آج کا میلاد! کیا کوئی روزہ رکھتا ہے؟ یہاں تو قسم قسم کے کھانے اور طعام و شراب اور مختلف انواع و اقسام کی ڈشز کا اہتمام کیا جاتا ہے کیا یہ آپ ﷺ کی اطاعت ہے یا مخالفت؟ یہ محبت ہے یا۔۔۔؟ رسول اللہ ﷺ اپنے ولادت کے دن اپنے رب کے لئے بھوکے پیاسے رہیں اور میلاد منانے والے؟

بدعتِ میلاد پر چند اہم اقوالِ سلف:

شیخ عبد الرحمن مغربی حنفی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ:

محفل میلاد منعقد کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین اور ائمہ کرام نے نہ تو ایسا کرنے کو فرمایا اور نہ خود ایسا کیا‘‘۔[42]

امام ابو عبد اللہ ابن الحاض مالکی رحمہ اللہ اپنی کتاب ’’مدخل‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

' 'ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو جو محفل میلاد قائم ہوتی ہے باوجود اس کے کہ یہ بذات خود بدعت ہے مگر اس میں بھی لوگوں نے خرافات و محرمات کا بہت اضافہ کر رکھا ہے کہیں سماع ہے کہیں غزل و نعتوں سے محفل کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ بغیر فرش و فروش و دیگر اسباب زیب و زینت، آرائش و شرینی اور جھاڑ و فانوس ستہ یہ محض پھیکی بلکہ ناروا سمجھی جاتی ہے۔ اسراف و فضول خرچی تو اسکی اول شرط ہے جب تک من گھڑت قصہ جات و بے سروپا حکایات کا تذکرہ نہ ہو تو مجلس ہرگز بارونق نہیں ہوتی۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ کی اس محفل کو کار خیر اور موجب برکت سمجھا جاتا ہے "افسوس صد افسوس!"۔

علامہ تاج الدین الفاکہانی مالکی اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

' 'اس محفل میلاد کا قرآن و حدیث و امت محمدیہ کے ائمہ سے تو ہرگز کچھ پتہ نہیں چلتا ہاں شہوت پرست اور اکل و شرب کا الو سیدھا کرنے والوں کی یہ ایجاد البتہ ضرور ہے جس سے ہر مسلمان کو بچنا لازم و ضروری ہے"۔

امام ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد المجید مالکی اپنی کتاب "تکملۃ التفسیر" میں فرماتے ہیں کہ:

' 'ماہ ربیع الاول میں جو محفل مولد قائم ہوتی ہیں علماء کو اس کی خوب زور سے تردید کرنی چاہئے"۔

علامہ محمد بن ابی بکر مخرومی مالکی اپنی کتاب "البدع و الحوادث" میں فرماتے ہیں کہ:

ہمارے زمانے میں بعض لالچی اور دنیادار مولوی میلاد کے نام سے ایک محفل قائم کرتے ہیں یہ نہایت ہی گندی رسم اور تباہ کن بدعت ہے گزشتہ امتوں کی تباہی کا سب سے بڑا سبب ایسی ہی بدعتیں ہیں اور یہ امت بھی احداث بدعت میں تباہ ہو گی"۔

علامہ ابو الحسن علی بن فضل مقدسی مالکی اپنی کتاب "جامع المائل" میں فرماتے ہیں کہ:

" محفل میلاد کا احداث تو قرون ثلاثہ کے بعد ہوا ہے سلف الصالحین سے اس کا جواز ہر گز ثابت نہیں پس ہم پر سلف صالحین کی اقتداء لازم ہے۔ احداث و بدعت کی کچھ ضرورت نہیں ہے"۔

علامہ علاؤالدین بن اسمعیل الشافعی اپنی کتاب "البعث و النشور" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

' 'محفل میلاد قائم کرنے والوں کی خوب تردید ہونی چاہئے"۔

امام نصیر الدین الشافعی نے فرمایا کہ:

محفل میلاد نہیں کرنی چاہئے کیونکہ سلف الصالحین سے ایسا منقول نہیں ہے بلکہ یہ عمل قرون ثلاثہ کے بعد برے زمانے میں ہوا"۔[43]

علامہ حسن بن علی کتاب "طریقہ السنہ" میں لکھتے ہیں کہ:

جاہل صوفیوں نے ماہ ربیع الاول میں عید میلاد نکالی ہے شریعت میں اسکا کچھ اصل نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے"[44]۔

علامہ ابن الحاج المالکی فرماتے ہیں کہ:

' 'ان تمام بدعت میں سے جن لوگوں نے عقیدتاً بڑی عبادت اور دین کی واضح علامت سمجھ کر ایجاد کیا ہے۔ ان میں عید میلاد النبی ﷺ بھی ہے جو وہ ماہ ربیع الاول میں مناتے ہیں حالانکہ وہ بہت سی بدعات و محرمات پر مشتمل ہے"۔

علامہ احمد بن محمد مصری المالکی اپنی کتاب "القول المعتمد" میں لکھتے ہیں کہ:

چاروں مذاہب کے علماء اس عید میلاد کی مذمت پر متفق ہیں"۔[45]

علامہ احمد بن حسن اپنے ملفوظات میں حافظ ابو بکر عبد الغنی بغدادی حنفی کے فتاوی سے ناقل ہیں کہ:

محفل میلاد کا جواز جب سلف الصالح سے ثابت ہی نہیں تو پھر ہم سلف الصالح سے بڑھ کر تو نہیں کہ خیر و برکت کے لئے جمع ہو کر محفل میلاد قائم کریں"۔

امام ربانی مجدد الف الثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات کے ۲۲۳ ویں مکتوبات میں مرزا حسام الدین احمد کے مراسلہ کا جواب فرماتے ہیں کہ:

" "آپ کو لکھا جا چکا ہے کہ سماع کے منع ہونے کا معاملہ میلاد کے منع ہونے کو بھی شامل ہے جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ شعروں کے پڑھنے سے مراد ہے۔ اگر بالفرض سیدنا ذیشان قدس سرہ اس وقت دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجلس و اجتماع ان کی موجودگی میں منعقد ہوتی تو آیا آپ ﷺ اس اجتماع کو پسند کرتے ؟ فقیر کا یقین ہے کہ آپ ﷺ قدس سرہ ہرگز اس امر کو پسند نہ فرماتے بلکہ انکار کرتے"۔[46]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

دیگر بدعات کی طرح محفل میلاد بھی صریح بدعت ہے اس کے موجدوں نے عیسائیوں کی چال پر میلاد عیسی کی طرح اپنے نبی سے محبت ظاہر کرتے ہوئے آپ ﷺ کی محفل مولد قائم کر دی حالانکہ علماء کو آپ ﷺ کی تاریخ ولادت بھی یقینی طور پر معلوم نہیں پھر اس محفل کا سلف الصالح سے بھی کچھ ثبوت نہیں ملتا اگر یہ کار خیر ہوتی تو ضرور علمائے سلف اسے قائم کرتے کیونکہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ہم لوگوں سے بڑھ کر حصہ لیتے تھے پس جب اس محفل کا سلف الصالحین سے بھی کچھ ثبوت نہیں ملتا تو پھر اس کے احداث کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔[47]

فرقہ بریلویہ کے مولوی عبدالسمیع رامپوری خلیفہ مولوی احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

’’یہ سامان فرحت و سرور اور وہ بھی مخصوص مہینے ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا متعین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں‘‘۔[48]

محمد الصالحی الشامی جو السیوطی کے شاگرد تھے اور امام السخاوی رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ:

’’میلاد منانا قرونِ ثلاثہ (ابتدائی تین صدیاں) میں کسی بھی سلف سے منقول نہیں بلکہ یہ اس کے بعد شروع ہوا]‘‘ [49]

اور اسی طرح ملا علی القاری الحنفی نے بھی اپنی کتاب ’’المورد الروی فی المولد النبوی‘‘ میں لکھا ہے۔[50]

حرف آخر!

علامہ تاج الدین عمر بن علی فاکہانی مالکی رحمہ اللہ سے میلاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب میں آپ نے فرمایا:

مجھے اس میلاد کی کوئی اصل (دلیل) کتاب و سنت میں نہیں ملتی اور علماء امت میں سے کسی کا اس پر عمل منقول نہیں ہے جو دین کے رہنما اور سلف متقدمین کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں بلکہ یہ بدعت ہے جس کو اہل باطل نے نکالا ہے اور، جس کی طرف پیٹ کے پجاریوں نے اہتمام کیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم اس پر شریعت کے پانچوں احکام کو تطبیق دیتے ہیں تو یہ واجب ہے یا مندوب ہے، مباح ہے یا مکروہ ہے یا حرام ہے، واجب تو یہ بالاجماع نہیں ہے۔ اور نہ مندوب ہے۔ وہ اس لئے کہ مندوب کی حقیقت یہ ہے کہ ’’شریعت اس کو

طلب کرے، اور اس کو ترک کرنے پر گناہ نہ ہو"۔ اور اس کی نہ شریعت نے اجازت دی نہ صحابہ نے اس پر عمل کیا اور نہ تابعین نے اور نہ علمائے با عمل نے، اور نہ اس کا مباح ہونا ممکن ہے، کیونکہ دین میں نئی بات داخل کرنا بالاجماع مباح نہیں ہے، تو اب مکروہ یا حرام ہونے کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہ رہی"۔

حرف آخر یہ کہ:

ہم اللہ کے پیارے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں تو صرف ان اعمال کو بجالائیں جو ہم سے شریعت نے طلب کئے ہیں تو محبت کا دعویٰ سچ ہوجائے گا، جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّـهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّـهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّـهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّـهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّـهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ

آلِ عمران-32/31

" "کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔ اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالی اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بیشک اللہ تعالی کافروں سے محبت نہیں کرتا"۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

سب سے بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے۔ سب سے بری چیز (دین میں) نئی چیز پیدا کرنا ہے اور ہر نئی چیز بدعت ہے ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی"۔[51]

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

''بلا شبہ اس امت کی عافیت اس کے شروع میں ہے اور اس کے آخر میں شدید مصیبتیں ہیں اور ایسے کام ہوں گے اگر تم انہیں دیکھ لو تو تم انکار کر دو گے''۔[52]

اللّٰهم أرنا الحق حقا وارزقنا إتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقانا إجتنابه.

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد ﷺ وعلى أله وأصحابه أجمعين۔

[1]سیرت طیبہ، ص:76
[2]زادلمعاد ج، ص:68
[3]ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری الدمشقی (المتوفی:774ھـ)
[4]البدایة والنهایة (ج3، ص375)
[5]جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی:597ھـ)
[6]المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک
[7]رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان منصور پوری ج1 ص:72
[8]الرحیق المختوم (اردو) ص۸۳
[9]تاریخ اسلام، اکبر نجیب آبادی حصہ اول ص:72
[10]تاریخ اسلام، معین الدین ندوی ج ص:۲۵
[11]محبوب خدا: ص:20
[12]أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد المتوفى: 230
[13]الطبقات الکبرای لابن سعد، ص ۸۲
[14]البدایة والنهایة ج3ص 375
[15]دین مصطفی، ص:84
[16]ضیاء القرآن،، ج5، ص:665
[17]تبرکات صدر الافضل، ص:199
[18]غنیة الطالبین ج2ص121
[19]محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملی، أبو جعفر الطبری (المتوفى:310ھـ)

[20]تاریخ الطبري ج٣ص ٢٠٠

[21]المنتظم في تاریخ الأمم و الملوک ج4ص 40

[22]الطبقات الکبری ج2ص 202

[23]دارمی، مشکوۃ 2/540

[24]المدخل لابن الحاج ج2ص 15

[25]الخطط المقریزیة: ج1ص 495

[26]صبح الأعشی: ج3ص 499، 498

[27]سیرۃ النبی: ج3ص 664

[28]تفصیل کے لئے دیکھیں البدع الحولیہ: ص137 تا 151۔ اردو مترجم "اسلام مہینوں کی بدعات"

[29]وفیات الأعیان: ج3ص 117، 118

[30]دیکھئے: البدایہ و النھایہ: ج 11ص 361، 360، اور اس کا اردو ترجمہ تاریخ ابن کثیر: ج11ص 779، 780

[31]فضائح الباطنیة: ج1ص ج37۔

[32]کشف الاستار و ہتک الاستار (مزید دیکھئے کتاب البدایہ و النھایہ ج١٥ ، ص٥٣٧۔٥٤٠۔)

[33]مجموع فتاوی ابن تیمیة: ج35ص 129

[34]مجموع فتاوی ابن تیمیة: ج35ص 128

[35]تاریخ مرآۃ الزمان، وفیات الأعیان بحوالہ تاریخ میلاد: ص26، 25

[36]لسان المیزان: ج4ص 295

[37]لسان المیزان: ج4ص 296

[38]تدریب الراوی: ج1ص 286

[39]صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2518

[40]سنن ابو داؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1198

[41]سنن ابو داؤد: جلد اول: ص 737 حدیث نمبر 2426 صحیح

[42]اللجنه لاهل السنه ص ۱۷۷

[43]ایضا

[44]اللجنه لاهل السنه ص ۱۷۷

[45]اللجنه لاهل السنه ص ۱۷۸

[46]مکتوبات: ۲۷۳

[47]اقتضاء صراط مستقیم ص ۲۳۴

[48]انوار ساطعه ص ۱۵۹

[49]سبل الهدی ولارشاد فی سیرة خیر العباد ج ۱ ص ۴۳۹

[50]المورد الروي في المولد النبوي ص 24

[51]المورد الروي في المولد النبوي ص 24

[52]سنن نسائی: جلد اول: حدیث نمبر 1581

[53] "وإن أمتكم هذه جعل عافيتها في أولها و سيصيب آخرها بلاء شديد و أمور تنكرونها" صحيح وضعيف الجامع للشيخ الألباني (227/1) وصححه۔

(5) ماہِ رجب ۔ بدعات کے نرغے میں!

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ اما بعد!

دین اسلام فطری دین ہے جس کے بیشتر احکام فطرتی عوامل کے ساتھ معلق ہیں مثلاً حج اور عمرہ کرنا، روزے رکھنا، زکاۃ ادا کرنا وغیرہ اللہ کی فطرتی نشانی (چاند) کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اسی بات کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ رب العالمین کا فرمان عظیم ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ

البقرۃ–189

لیکن افسوس صد افسوس کہ بعض نام نہاد ملاؤں نے اس اسلام کے چشم صافی کو بدعات کے ذریعے گدلا کر دیا ہے۔ کوئی اسلامی مہینہ ایسا نہیں جس میں خود ساختہ عبادات، بے ڈھنگے معاملات اور بدعات رائج نہ ہوں مگر ماہ رجب تو وہ مظلوم مہینہ ہے کہ جس میں بدعات کی کثرت ظلمات بعضہا فوق بعض کا منظر پیش کرتی ہیں۔

رجب کا مطلب:

رجب کا لغوی معنی عزت وتکریم ہے۔ کیونکہ زمانہء جاہلیت میں اس مہینے کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا تھا اس لیئے اس ماہ کو رجب کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ کتب تواریخ میں اس ماہ کے تقریباً تیرہ نام ذکر ہوئے ہیں۔

ماہ رجب کے بارے میں وارد شدہ آثار

ماہ رجب کی فضیلت میں سرانجام دیئے جانے والے بعض اعمال کے متعلق بہت سی روایات ملتی ہیں جن کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔احادیث صحیحہ

ماہ رجب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے:

اِنَّ الزَّمَانَ اسْتَدَارَ کَھَیْئَةِیَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتَ وَالارْض۔

ابو داؤد، کتاب المناسک

''سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وقت (زمانہ) اس حالت میں پلٹ آیا ہے جس حالت میں اس روز تھا جب اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کیے تھے سال میں بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار حرمت والے ہیں وہ بھی تین تو لگاتار ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجۃ اور محرم جبکہ چوتھا رجب مضر ہے جو کہ جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔'' اس صحیح حدیث میں صرف حرمت رجب کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے اس کے علاوہ ماہ رجب کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

احادیث ضعیفہ:

فضائل رجب کے بارے میں کئی ایک ضعیف احادیث ہیں معدودے چند درج ذیل ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جنت میں رجب نامی نہر ہے جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے جو آدمی ماہ رجب میں ایک دن روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس آدمی کو اس نہر سے پانی عطا فرمائے گا''(رواہ البیہقی فی فضائل الاوقات)امام ابن جوزی معروف کتاب ''العلل المتناھیۃ''میں رقم طراز ہیں کہ اس حدیث میں مجہول رواۃ کی کثرت ہے۔ اس کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔(العلل المتناھیۃ ۶۵)

۔عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کَانَ النَّبِی صلی اللہ علیہ و سلم اِذَا دَخَلَ رَجب قَالَ اَللّٰھمَّ بَارِکْ لَنَا فِی رَجَب وَشَعبَان وَبَلغْنَا رَمْضَان۔

رواہ احمد فی مسندہ

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رجب کے آغاز میں یہ دعا مانگتے تھے: اے اللہ ہمارے لیے ماہ رجب وشعبان کو بابرکت بنا اور ہمیں ماہ رمضان تک زندہ رکھ" یہ حدیث بھی سخت درجہ کی ضعیف ہے اس کی سند میں زائدہ بن ابی رقاد راوی ہے جس کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل نے سخت جرح کی ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث جبکہ امام نسائی نے اس کو غیر ثقہ قرار دیا ہے جبکہ ابن حبان نے اس کی روایت کو ناقابل اعتبار کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ترجمہ رقم:۵۷۰)

۳۔أنَّ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و سلم لَمْ یَصُمْ بَعْدَ رَمَضَانَ اِلاَّ رَجباً وَ شَعْبَان۔

"رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے بعد ماہ رجب وشعبان کے علاوہ کسی ماہ میں مکمل روزے نہیں رکھے"

یہ حدیث بھی حد درجہ ضعیف ہے اس کی سند میں یوسف بن عطیہ نامی راوی کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔

موضوع روایات:

ماہ رجب کی فضیلت میں موضوع روایات بھی بکثرت ہیں چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ ماہ رجب کی باقی مہینوں پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح قرآن مجید بقیہ تمام اذکار سے افضل ہے(تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب لابن حجر ص:۱۷)

۲۔ ماہ رجب اللہ کا، شعبان میرا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا) اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے (موضوعات لابن جوزی ۲/۲۰۶)

۳۔ رجب اللہ کا مہینہ ہے جس نے اس مہینے میں روزہ رکھا اس کے لئے اللہ کی خوشنودی واجب ہو جاتی ہے۔ (الفوائد المجموعۃ للشوکانی ص:۴۳۹، حدیث ۱۲۶۰)

۴۔ جس نے ماہ رجب میں تین دن روزہ رکھا اس کو پورے ماہ کے روزوں کا ثواب ملتا ہے اور جو اس ماہ میں سات دن روزہ رکھتا ہے اس پر جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

۵۔ جس نے ماہ رجب کے روزے رکھے اور چار رکعت نماز ادا کی اس شخص کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے۔ (موضوعات لابن جوزی ۲/۱۲۳)

ماہ رجب کی بدعات: ہوس پرست علماء نے عوام الناس کے مذہبی جذبات کو گرما کر ان بدعات کو رائج کیا ہے۔ عوام الناس تک کتاب وسنت کا واضح پیغام پہنچانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو بدعات کی آمیزش سے محفوظ رکھ سکیں۔ ماہ رجب کی مخصوص بدعات درج ذیل ہیں۔

ا۔ ماہ رجب کی بدعتی نمازیں:

ماہ رجب میں مخصوص ایام میں مخصوص طریقے سے کچھ نمازیں بالتزام ادا کی جاتی ہیں مثلاً صلاۃ الرغائب ماہ رجب کی مشہور ترین بدعات میں سرفہرست ہے اس نماز میں مخصوص اذکار مخصوص تعداد اور مخصوص حالات میں پڑھے جاتے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ یہ نماز رجب کی پہلی جمعرات کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی جاتی ہے اس میں بارہ رکعتیں ہوتی ہیں، ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ القدر و سورۃ الاخلاص بالترتیب تین دفعہ پڑھی جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ بارہ رکعات دو دو رکعت کرکے ادا کی جاتی ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر ساٹھ دفعہ یہ درود پڑھا جاتا ہے؛ اللھم صل علی محمد النبی الامی و علی آلہ۔۔۔ پھر

سجدہ کی حالت میں ساٹھ دفعہ سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح کہا جاتا ہے، سجدہ کے بعد یہ دعا ساٹھ دفعہ پڑھی جاتی ہے:

رب اغفرلی وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت العزیز الاعظم۔

پھر دوسرے سجدہ میں بھی اسی طرح کیا جاتا ہے۔

فضیلت:

جس طرح صلاۃ الرغائب مشکل ترین اور پیچیدہ نماز ہے بعینہ اس کے متعلق ثواب وجزاء اور اس کی فضیلت بھی پیچیدہ اور ناقابل فہم ہے۔

مثلاً:ا۔ اس نماز کے بعد انسان کے تمام گناہ (چاہے وہ سمندر کی جھاگ اور درختوں کے پتوں جتنے ہوں) معاف ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اس نماز کو ادا کرنے والا قیامت کے دن ستر رشتہ داروں کے لیے شفاعت کر سکے گا۔ صاحب قبر کہے گا تم کون ہو اللہ کی قسم میں نے تم سے زیادہ حسین خوش گفتار اور خوشبودار نہیں دیکھا ہے تو یہ ثواب اس کو کہے گا کہ میں تو اس نماز کا ثواب ہوں جو کہ تو نے رجب کی فلاں رات پڑھی تھی میں آج تیرا حق لوں گا، قبر میں تیری تنہائی دور کروں گا، تمہاری وحشت کو ختم کر دوں گا، قیامت کے دن میں تمہارے سر پر سایہ بن جائوں گا اور تم کبھی بھی خیر سے محروم نہیں ہو گے۔

اس نماز کا ثواب خوشخبری سنائے گا کہ مجھے پڑھنے والے تو آج عذاب قبر سے بچ گیا ہے۔

حقیقت حال:

اس نماز کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اس نماز کی بنیاد ہی موضوع حدیث پر ہے جیسا کہ اس حدیث کے متصل بعد امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ اس کی سند کے تمام رواۃ مجہول ہیں، میں نے علم رجال کی تمام کتب چھان ماری

ہیں لیکن مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ امام الشوکانی اس روایت کو الفوائد المجموعۃ میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ من گھڑت روایت ہے۔ اہل علم نے اس روایت کے موضوع ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ امام مقدسی اور دوسرے محدثین نے بھی اس روایت کو باطل اور موضوع قرار دیا ہے۔

۲۔ اگر اس نماز کی اہمیت اتنی زیادہ تھی تو پھر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام نے اس کا اہتمام کیوں نہ کیا؟ یقیناوہ مقدس ہستیاں خیر کے کاموں میں سبقت لے جانے والے تھے۔ پس عبادت کے وہ کام جو اصحاب رسول رضی اللہ عنہم نے سرانجام نہیں دیئے وہ باقی امت کے لیے وہ کام عبادت نہیں بلکہ بدعت ہے۔

۳۔ نماز میں اطمینان اور سکون انتہائی ضروری ہے مگر صلاۃ الرغائب میں یہ چیز ممکن نہیں ہے کیونکہ نماز پڑھنے والا اذکار کی کثرت تعداد کو شمار کرتے وقت بہت زیادہ حرکت کا مرتکب ہوگا جو کہ اطمینان کے منافی ہے۔

۵۔ نماز میں خشیت و تواضع بھی لازمی امر ہے مگر اس بدعتی نماز میں یہ چیز عنقا اور مفقود ہو جاتی ہے۔

۶۔ اس نماز میں ہر دو رکعت کے بعد علیحدہ دو سجدے کئے جاتے ہیں، شریعت اسلامیہ میں نماز کے علاوہ ان سجدوں کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے۔

۷۔ اس نماز سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کی مخالفت ہوتی ہے جس میں آپؐ نے جمعہ کی رات کو خصوصی قیام سے منع کیا ہے۔ (مسلم ۲/۸۰۱) اسی لیے تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس نماز کو بدعت قرار دیتے ہوئے لکھا:

اما صلاۃ الرغائب فلا اصل لھا بل ھی محدثۃ فلا تستحب لا جماعۃ ولا فرادی۔

مجموع الفتاوی:23/134

اس نماز کی شریعت اسلامیہ میں کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ تو بدعت ہے جس کو نہ تو باجماعت ادا کرنا درست ہے اور نہ ہی منفرد۔

امام نووی رحمہ اللہ شارح صحیح مسلم سے جب صلاۃ الرغائب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: یہ نماز نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم، صحابہ کرام اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں سے کسی نے پڑھی ہے اور نہ ہی اس کی (فضیلت + طریقہ) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بسند صحیح اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے بلکہ یہ تو بعد کے زمانے میں ایجاد کی گئی ہے۔(البدع الحولیۃ، ص:۴۵۔۴۷)اسی طرح امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

و کذالک احادیث صلاۃ الرغائب لیلۃ اول جمعۃ من رجب کلھا کذب مختلق علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم

المنار المنیف فی صحیح و الضعیف، ص/95 حدیث/167

" 'رجب کے پہلے جمعہ میں ادا کی جانے والی نماز (یعنی صلاۃ الرغائب) کے بارے میں مذکور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر بہتان ہے۔"

ماہ رجب میں خصوصی روزے رکھنا:

ماہ رجب کی مروجہ بدعات میں سے مشہور ترین بدعت اس مہینے کو روزہ کیلئے خاص کرنا بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی صحیح احادیث سے ثابت شدہ روزے باعث ثواب ہیں جب کہ ماہ رجب کے مخصوص روزے کسی صحیح نص سے یا اشارہ سے ثابت نہیں ہیں۔

اس مہینے کی پہلی دوسری اور تیسری تاریخ یا ساتویں تاریخ یا پورے مہینے کے روزے رکھے جاتے ہیں اس بدعت کو سنت کا رنگ دینے کیلئے سخت ضعیف اور موضوع روایات

کا سہارا لیا جاتا ہے اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بدعتی روزوں کی تردید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں : ماہ رجب کے روزوں کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے نہ سلف صالحین میں سے کسی نے خصوصی طور پر ان روزوں کا اہتمام کیا۔ اس کے برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس مہینہ میں روزے رکھنے والوں کو تعزیراً مارتے تھے اور فرماتے : اس (ماہ رجب) کو ماہ رمضان کے مثل نہ بنائو۔(ارواء الغلیل: ۴/۱۱۳) ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لم یصم الثلاثة الاشهر سردا رجب شعبان و رمضان کما یفعله بعض الناس ولا صام فی رجب قط
زادالمیعاد فی هدی خیر العباد، 2/64

’’رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی رجب شعبان اور رمضان میں تسلسل کے ساتھ روزے نہیں رکھے یہ فعل تو کچھ لوگوں نے اپنا لیا ہے۔ ماہ رجب اس میں تو آپؐ نے کبھی روزہ نہیں رکھا۔ واللہ اعلم

شب معراج کی عبادت:

ماہ رجب کی بدعات میں سے ایک اور بدعت شب معراج میں عبادت بھی ہے۔ حالانکہ اس رات کی خصوصی عبادت قرآن وسنت تو کجا ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے۔ اس بدعت کو موضوع روایات کا سہارا دیا گیا ہے اور اس شب میں عبادت کا خصوصی اہتمام کتاب وسنت اور عقل سلیم کے سراسر منافی ہے۔

کتاب:

رب تعالیٰ اس بات کی وضاحت فرماتے ہیں کہ آج (روز عرفہ) میں نے دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تکمیل کا اعلان کر دیا تو اس وقت اس شب کی عبادت نہ تو مروج تھی اور نہ ہی اس کا ذکر تھا

پس جو عبادت اس وقت موجود نہ تھی آج وہ عبادت بدعت ہی ہو گی نہ کہ عبادت۔

سنت:

شارح قرآن نے متعدد دفعہ اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ دین میں ایجاد کردہ ہر کام بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت اور ہر ضلالت جہنم پر منتج ہوتی ہے۔

لہذا اس شب میں عبادت کا خصوصی اہتمام باعث ضلالت و گمراہی ہے۔

عقل سلیم:

عقل سلیم کبھی بھی کتاب وسنت کی ہدایات کے خلاف نہیں ہو سکتی جس طرح قرآن وسنت نے شب معراج کی محافل کو بدعت کہا ہے بعینہ عقل سلیم اس چیز کو بدعت ہی کہتی ہے کیونکہ: اس شب کے تعین میں ہی اختلاف ہے جس وقت کی تعیین میں ہی اندازے لگائے جائیں اسلام اس میں عظیم عبادت کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ ان الظن لایغنی من الحق شیئا۔

سلف صالحین نیکیوں میں سبقت لے جانے والے تھے اس رات میں عبادت کا اہتمام انہوں نے نہیں کیا کیونکہ وہ اس کو عبادت ہی تصور نہیں کرتے تھے۔

رجب کے کونڈے:

برصغیر پاک وہند کے سادہ لوح عوام کی دینداری کا رخ شروع سے ہی صحیح طرف نہ تھا جہاں نام نہاد ملائوں نے اپنی ذاتی اغراض ومقاصد کیلئے دین اسلام کو بے دردی سے استعمال کیا جس کا مظہر رجب کے مروجہ کونڈے بھی ہیں۔ ہندوستان کے ایک آدمی نے داستان عجیب نامی کتاب میں اس بدعت کا تذکرہ "نیاز نامہ

امام جعفر صادق " کے نام سے کیا ہے کہ ایک روز امام جعفر صادق اپنے محبین اور اصحاب کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک آپ نے دریافت کیا کہ یہ کون سا ماہ ہے؟ اصحاب نے اطلاع دی کہ یہ ماہ رجب ہے پھر دریافت کیا کہ آج کیا تاریخ ہے؟ محبین نے عرض کی کہ آج ماہ رجب کی ۲۲ تاریخ ہے یہ سن کر امام صاحب نے کہا کہ کوئی شخص کیسی ہی مشکل یا حاجت رکھتا ہو آج کے دن جو اللہ نے مقدر کر دیا ہو وہ موافق مقدور کے پوریاں میرے نام کی پکا کر کھیر دو کونڈوں میں بھر کر ہمارے نام فاتحہ دے کر رب کی بارگاہ میں جو کچھ اپنی حاجت و مراد ہو مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان کر دے گا اور حاجت و مراد اس کی بر لادے گا اور دعا اس کی مستجاب ہو گی اگر نہ ہو گی تو روز محشر میرا دامن اور اس کا ہاتھ ہو گا۔ (ندائے جامعہ شمارہ ۴، ص:۱۸)

اس تحریر کے ایک ایک جملہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ رجب کے کونڈے بدعت سئیہ ہے کیونکہ:

۱۔ یہ تحریر ہندوستان کے ایک مجہول آدمی نے قرون مفضلہ کے بعد لکھی۔

۲۔ امام جعفر صادق کی یہ وصیت چودہ سو سال بعد ہی ظاہر کیوں ہوئی اس سے پہلے یہ تحریر کہاں تھی؟

۳۔ امام جعفر صادق اللہ کے ولی اور موحد انسان تھے عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے کہ کوئی موحد انسان اپنی ذات کیلئے نذرونیاز کی وصیت کرے۔

۴۔ نذرونیاز عبادت ہے اور عبادت صرف رب العالمین ہی کیلئے خاص ہے نہ کہ مخلوق میں سے کوئی اس کا روادار ہو۔

اصل بات:

دین اسلام کو ختم کرنے، اس کی صاف وشفاف تعلیمات سے لوگوں کو بدظن کرنے اور شریعت محمدی کا حلیہ بگاڑنے کیلئے اہل تشیع نے یہ ایک چال چلی ہے جس میں اہل بیت کی محبت کو استعمال کر کے بغض صحابہ کیلئے راہ ہموار کی ہے کیونکہ ۲۲ رجب کو ہی جلیل القدر صحابی، عرب کے منجھے ہوئے سیاستدان سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب کے کونڈے امام کی وصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ سیدنا معاویہ رضی للہ عنہ کی وفات کی خوشی میں ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں بدعات وخرافات سے بچا کر دین اسلام کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ (آمین)

(6)بدعات اور شریعتِ محمّدیﷺ

بعض لوگ توحید، قیامت اور رسالت کے یکتا اصول کے تحت ارکان اسلام کو تاقیامت باقی اور جدید وقدیم کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیتے ہوئے اسلامی قانون کا مسلم اصول یہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام سے شریعت میں منع نہیں کیا گیا تو اس کی اجازت ہے۔

گویا انسان کے لیے کھلا میدان چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ فرائض و سنن اور مستحبات کی ادائیگی اور حرام و مکروہات سے اجتناب کرتے ہوئے وہ امور جن کی حلت و حرمت کے بیان سے شریعت خاموش ہے انہیں مباح اور جائز سمجھتے ہوئے ان میں جب چاہے جتنا چاہے اضافہ کرے اور قولی، فعلی اور مالی عبادت میں آزاد ہے۔

اگر کوئی شخص اس بات کو غلط کہے کہ جو عبادت سنت میں نہیں ہے تو اس کو جواب دیا جائے کہ اس کی ممانعت ثابت کرو حالانکہ جس عمل کی ممانعت بالصراحت نہیں وہ مباح کی ذیل میں آتا ہے اور فقہ اسلامی میں اس کا حکم کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:

تمام اہلِ اسلام سے یہ بات مخفی نہیں کہ دین اسلام کامل ہے اور اس میں قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کا حل اور رہنمائی موجود ہے جو سعادت دارین کی کامیابی کی ضامن ہے۔ اور یہ دین وحی الٰہی سے ظہور پذیر ہوا اور یہ بنی نوع انسان کی زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے، تخلیق انسان کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور عبادت کی حقیقت و تفصیل از خود معلوم کرنا انسان کے بس میں ہر گز نہیں ہے ورنہ تو وحی کا انتظام ہی نہ ہوتا، اسلام کے سارے نصاب کو شریعت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے دو پہلو ہیں ایک عبادات کا اور دوسرا معاملات باہمی کا۔ یا یوں کہا جائے کہ دین اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ کا حق اس کی

عبادت ہے، جس کی قبولیت کی دو شرطیں ہیں، خلوص اور سنت نبوی ﷺ کی موافقت ۔ ان میں کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو گی تو عبادت رائیگاں ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حدیث قدسی میں ہے:

أنا أغنى الشركاء عن الشرك۔

''میں تمام شریکوں کے شرک سے بے نیاز ہوں اور جس کام میں شرک شامل ہو میں مشرک اور اس کے شرک سے دستبردار ہو جاتا ہوں اور اسے چھوڑ دیتا ہوں''۔

اور سنت کی موافقت نہ ہونے کی صورت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان دونوں شقوں کو ملحوظ رکھا اور ان میں کوتاہی کو عبادت میں کوتاہی سے تعبیر کیا، مثلا:

عبادت خواہ قولی ہے تو اس میں وصف کی تبدیلی کو بدعت، ضلالت اور گمراہی سے تعبیر کیا۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اجلہ صحابہ مسجد میں اسوہ نبی سے ہٹ کر ذکر الہی کرنے والوں کی سرزنش فرماتے ہیں اور اسے بدعت اور گمراہی سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ ذاکرین کو فرماتے ہیں کہ اپنی خطائیں شمار کرو نیکیوں کے ہم ضامن ہیں، اور کیا تمہارا طریقہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے اچھا ہے ؟اور یہ حدیث صحیح ہے جس کی تفصیل کتب سنن میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عید گاہ میں نمازِ عید سے پہلے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے منع فرمایا اس نے کہا: میں نماز ہی تو پڑھ رہا ہوں تو فرمایا: جو عبادت رسول اللہ ﷺ نے نہیں کی اس میں تم آپ ﷺ کی مخالفت کر رہے

ہو بجائے ثواب کے عذاب پاؤ گے اور تیرا یہ نماز پڑھنا بھی عبث ہے اور عبث حرام ہے یہاں اس شخص نے یہ نہیں کہا کہ آپ ﷺ نے منع تو نہیں فرمایا، یا کثرت عبادت عبث اور حرام کیسے ہو گی؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرا یہ نماز پڑھنا شاید رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے عذاب الٰہی کا سبب بنے۔

معلوم ہوا کہ عبادت کے کاموں میں اگر کوئی عمل بدون اذن شرع اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام کے کیا جائے تو وہ مردود ہو گا۔

بعض لوگوں نے اہل اسلام کا مسلم اصول یہ پیش کیا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت اور مباح کو یہ مقام حاصل ہے کہ جتنا چاہیں کریں خواہ عبادت قولی، فعلی یا مالی ہو اور جس وقت چاہیں کریں اگر سنت ہونے کا استفسار کرے تو بڑی ڈھٹائی سے کہو کہ تم منع دکھاؤ۔ اس جوابی نکتے کی تکرار کی تلقین کی جاتی ہے۔

کتاب وسنت تو یہ تقاضا کرتی ہے کہ شریعت کی اتباع کی تلقین کریں اور من مرضی کے اضافوں کو بدعت سے تعبیر کریں لیکن یہاں اسلام کی ہمہ گیری اور وسعت کے تقاضے ہیں کہ ہر شخص مباح میں آزاد ہے اور امت مسلمہ کو مباح کی ڈھیل میں بدعت کی دلدل میں دھکیلا جا رہا ہے۔

مباح کی کیا حیثیت ہے، اصول فقہ میں تو اس کا فعل وترک برابر لکھا گیا ہے یعنی کرے تو ثواب، نہ کرے تو گناہ نہیں۔

)اصول فقہ کی کتابوں کا حوالہ(

یہ اس کی قانونی حیثیت ہے لیکن لوگ اسے تشریعی حکم کا درجہ دے رہے ہیں حالانکہ شارع علیہ السلام نے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ لہذا سنت کا مطالبہ کرنے والوں کے مقابلہ میں اس موقف سے مذکور عمل کی تشریع کا وہم پڑتا ہے چنانچہ

یہ عدم ثبوت اس کی ممانعت کی دلیل ہو گا پھر یہ اصول متفقہ نہیں ہے،
امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اصل تحریم ہے، یہ ملحوظ رہے کہ اہل سنت کے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ عبادت میں اصل یہ ہے کہ کوئی عبادت تب تک مشروع نہ کہلائے گی جب تک شرع شریف سے اس کا اذن واجازت نہ ہو یعنی عبادات میں اصل تحریم ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "فروع فقہ شافعیہ" میں جو کہ "الاشباہ والنظائر" کے نام سے مشہور ہے میں ص:۶۰ پر ذکر کیا ہے۔
جب عبادات میں بدون اذن شرع اضافہ خواہ اصلی شکل میں یعنی مشروع عبادت کی شکل میں تبدیل حرام ہے اور آپ کے مباح پر جو فعلاً وترکاً برابر ہے۔
حرام کا فتویٰ علی رضی اللہ عنہ نے لگایا ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اصل تحریم کا مورد بھی ہے اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اس پر بدعت کا حکم لگایا ہے۔
ہمارے لیے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ آئینہ ہیں اگر کوئی ہمیں دکھائے تو سعادت مندی ہے ان سے ہماری غلطیوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔
جملہ عبادات میں اصل ممانعت ہے الّا یہ کہ شرع اجازت دے، ہم اپنی طرف سے اختراع نہیں کر سکتے۔
اس لیے ائمہ محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو جہاں فرض قرار دیا ہے وہاں کسی کام کے آپ سے عدم ثبوت کی بنا پر ترک کرنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔
چنانچہ اس کی تفصیل علامہ ملّا علی القاری اور الشیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اور بالصراحت یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے

افعال مبارکہ کی فعلا وترکا اتباع ضروری ہے، چنانچہ آپ ﷺ سے کسی عمل کے منقول نہ ہونے یعنی عدم ثبوت اور عدم نقل پر اس کے مکروہ وربدعت ہونے کا حکم لگایا گیا ہے جیسا کہ فجر کی سنتوں کے بعد مزید نوافل ادا کرنے کے بارے میں مذکور ہے۔

قاضی ابراہیم حنفی فرماتے ہیں کہ جس فعل کا سبب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو اور باوجود اس کی اقتضیٰ کے رسول اللہ ﷺ نے اسے نہ کیا ہو تو ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا ہے کیونکہ اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کام کو ضرور کرتے یا ترغیب فرماتے اور جب آپ ﷺ نے نہ خود کیا اور نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے بلکہ وہ بدعت قبیحہ سیئہ ہے۔(نقائص الاظہار، ترجمہ مجالس الابرار ص:۱۲۷)

مکوت عنہ کے ترک پر صاحبِ ھدایہ کی رائے ملاحظہ کریں فرماتے ہیں:

"لا یتنفل فی المصلی قبل صلوۃ العید لان النبی ﷺ لم یفعل ذالک مع حرصہ علی الصلوۃ"

ھدایۃ: ج/1، ص/153

ترجمہ:" اور عید گاہ میں نماز سے پہلے نوافل نہ پڑھے کیونکہ نبی ﷺ نے باوجود نماز کی حرص کے ایسا نہیں کیا"

' 'لایتنفّل" نہی اور ممانعت کا صیغہ ہے، یہ کونسی نہی ہے آپ فیصلہ کریں تحریمی ہے، تنزیہی ہے یا ارشادی کہ جس میں ترک ہر صورت ہے۔

اگر نفی کا صیغہ ہو تو یہ اس سے بھی ابلغ ہے اور عید گاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنے والے کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہ صرف روکا بلکہ اس فعل کو جو بظاہر نیکی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی ممانعت کا ذکر بھی نہیں آیا، اسے عبث اور

حرام ٹھہرایا اور اس کو رسول اللہ ﷺ کے عدم فعل اور عدم ثبوت کی وجہ سے اسے آپ ﷺ کی مخالفت تعبیر فرما کر اس کو عذاب کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

مگر بعض لوگ مسکوت عنہ یعنی وہ مسائل جن میں خاموشی اختیار کی گئی ہے اس پر خاموش رہنے کی تلقین کے باوجود خود اس پر کاربند ہونے کا اظہار واعلان ہی نہیں بلکہ اس پر سنت کے حوالہ کے طلبگاروں کو فروعی مسائل میں الجھانے کا الزام بھی دیتے ہیں۔

مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سنت کی موافقت کے مطالبہ کی سوچ درست بھی ہے اور مفید بھی، اور اس سے بڑھ کر پیارے پیغمبر ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت سے بچنے کا ذریعہ بھی۔ اس لیے اگر آپ ﷺ کی اتباع میں ساری دنیا سے اختلافات ہو جائیں تو کوئی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کے باہمی معاملات کے درجہ سے رب تعالیٰ کا حق مقدم ہے اس کی ادائیگی میں اصل اور وصف کے لحاظ سے بدون اذن شرع کے ہم عبادت کا ایجاد واختراع نہیں کر سکتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو روایت حدیث، درایت اور ہدایت میں کامل تھے انہوں نے تو عبادات میں رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک ادا اور نوا اپنائی اور اس کی مخالفت تو کُجا اس سے سرِ مُو انحراف بھی برداشت نہیں کیا جیسے کہ آدابِ دعا میں بعض صحابہ نے آپ ﷺ کے لیے ہاتھ اٹھانے کی بلندی کے موافق ہاتھ نہ اٹھانے کو بدعت قرار دیا ہے۔

بقول سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

’’تمہارا دعا کے لیے اوپر ہاتھ اٹھانا بدعت ہے، رسول اللہ ﷺ نے سینے سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھائے‘‘ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات) اب اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سوچ متعین ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی عدم موافقت کو

بدعت شرعی سے تعبیر کرتے تھے، حالانکہ بعض لوگوں کے خیال میں شریعت میں مباح کے ضمن میں کھلا میدان ہے اور دعا کیلئے جتنے ہاتھ اٹھائیں بلکہ جب چاہیں اٹھائیں سنت کی موافقت ہو نہ ہو۔

لہذا مباح کی اساس پر عبادات کی عمارت تعمیر کرنے کو گمراہی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے، جب عبادات اصل مقصد زندگی ہیں تو ان کی اساس بھی کتاب وسنت ہے اور اختلافات کے وقت انہی دونوں سرچشموں سے ہی رفع اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس لئے مسکوت عنہ مسائل جن کا تعلق عبادات سے ہے انہیں عبادات میں کھلی چھوٹ دینے کی بجائے اس پر کراہت، حرام ہونے اور اس کے بدعت ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہونے کے سبب انہیں عذاب الٰہی کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ اس میں نہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اس مباح کے ہم نوا ہیں نہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ہم نوا ہیں بلکہ انہوں نے ہر طرح سے اپنی بے زاری کا اعلان فرمایا ہے اور ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ "اطلبوا الاستقامۃ ولا تطلبوا الکرامۃ" کتاب وسنت پر استقامت مانگو اور کرامتوں کے طلبگار نہ بنو۔ کیونکہ کرامت تو استقامت میں ہی ہے۔

کتاب وسنت پر قناعت میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا البتہ خود ساختہ عبادات میں کوئی بضد واصرار کرے اور ان پر کتاب وسنت سے ثبوت مانگنے والے کو دین میں افتراق ڈالنے والے کہے تو یہ محل کو گرا جھونپڑی میں ڈالنے والی بات ہے نبوت کا محل تو مکمل ہے مگر اس متعصب کے تقاضے پورے نہ ہوئے اور آپ ﷺ سے بڑھ کر متقی یا اللہ سے زیادہ ڈرنے کا اعتقاد لے کر عبادت میں مسابقہ درازی کرے تو اس کو قرآن وحدیث میں تکلف سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی تصنع اور بناوٹ فرمایا گیا ہے، آپ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

آپ فرمادیں (وما انا من المتکلفین) ”میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں “سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جسے امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جبن، سمن اور فراء کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرما دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس سے اس نے خاموشی اختیار کی وہ اس کی طرف سے رحمت اور عفو ہے“ اور حدیث کے اور بھی طرق ہیں جن میں ہے کہ عفو سے خاموشی اختیار فرمائی۔ حدیث پاک میں سوال کھانے پینے کی اشیاء سے ہے اور ”فرا“ حمار وحشی ہے۔ سنہ کہ عبادت سے اگر دونوں سے تعلق سمجھا جائے تو ہر ایک اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے گی یعنی عبادات میں اصل تحریم وممانعت ہو گی جب تک شرع اجازت نامہ جاری نہ کرے اور عادات ومعاملات وماکولات میں اصل اباحت ہو گی جب تک شرع منع نہ کرے جنگلی گدھے کے شکار کا تعلق بھی عبادات سے نہیں ہے، ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

’ ’اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر فرمائے انہیں ضائع نہ کرو اور بعض چیزوں سے نہی فرمائی ان کی حرمت کو پامال نہ کرو اور بعض چیزوں سے بھولے بغیر خاموشی اختیار کی ان سے بحث نہ کرو“

اور ایک روایت میں ہے کہ بہت سی باتوں سے بھولے بغیر خاموشی اختیار کی ان میں تکلف اختیار نہ کرو جو تم پر رحمت فرمائی ہے اسے قبول کرو۔

تکلف کے معنی میں امام راغب اصفہانی ”مفردات القرآن“ میں رقم طراز ہیں ”کوئی کام کرتے وقت خوش دلی ظاہر کرنا باوجود یکہ اس کے کرنے میں مشقت پیش

آرہی ہو اسی لیے عرف عام میں کلفت مشقت کو کہتے ہیں اور تکلف اس کام کے کرنے کو جو مشقت. بتصنّع یا اوپرے جی سے دکھاوے کے لیے کیا جائے اس لیے تکلیف دو قسم پر ہے، محمود اور مذموم، اگر کسی کام کو اس لیے محنت سے سرانجام دیا جائے کہ وہ کام اس پر سہل اور آسان ہو جائے اور اسے اس کام کے ساتھ خوشدلی اور محبت ہو جائے تو ایسا تکلف محمود ہے چنانچہ اس معنی میں عبادات کا پابند بنانے میں تکلیف کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اگر وہ کام تکلف محض اور ریاکاری کیلئے ہو تو مذموم ہے اور آپ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ کہیے میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں اور حدیث پاک میں ہے:

''میں اور میری امت کے پرہیزگار لوگ تکلف سے اور بناوٹ سے بری ہیں'' اور فرمان الٰہی ہے: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا(۲۔۲۸۶)

احادیث مبارکہ میں جہاں خاموشی کا ذکر ہوا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شرع جس کسی چیز پر حکم میں اثبات اور ممانعت سے خاموش ہے وہ مسکوت عنہ میں شامل ہے اور وہ عفو کے قبیل سے ہے جس کا کرنا جائز اور مباح ہونا چاہیئے لہذا ان کی مرضی سے اعمال خواہ عبادات قولی، فعلی یا مالی سے ہو یا معاملات دنیا سے وہ سب مسکوت عنہ کے تحت آتے ہیں۔

لیکن جبکہ یہ محقق امر ہے کہ جو کام شرع کی اجازت کے بغیر حادث اور نو ایجاد ہو وہ بدعت اور ضلالت و گمراہی ہے اور بدعت ممنوع اور حرام ہے تو وہ چیزیں اور اعتقاد و اعمال مسکوت عنہ نہ ہوئے۔

مسکوت عنہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کا حکم کسی خاص یا عام دلیل سے معلوم نہ ہو۔ بلکہ عفو کی احادیث سے بدعت کی تردید ہوئی ہے اور تحدید و تعیین و تخصیص کی وجہ

سے بدعت عفو کی احادیث کے خلاف ہوئی اور اس کے معنی کے خلاف ہوئی جو آپ نے لیے ہیں۔

شیخ ملا علی القاری شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع جس طرح آپ کے اعمال مبارکہ میں واجب ہے اسی طرح آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے کاموں میں بھی ضروری ہے سو جو شخص ایسے کام پر ہمیشگی اختیار کرے جسے شارع علیہ السلام نے کیا ہی نہیں تو وہ مبتدع اور بدعتی ہے اور بدعت کے مردود اور ضلالت و گمراہی ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ وہ فعلاً رسول اللہ ﷺ کی مخالف ہوتی ہے۔

تنبیہ:

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بدعات کو روکنے والے ہر نئے کام کو بدعت قبیحہ کہتے ہیں خواہ دین کا ہو یا دنیا کا، یہ سراسر بہتان وافتراء ہے۔ مانعین صرف اس بات کو بدعت قبیحہ کہتے ہیں جو دین میں بدون اذن شرع کے ایجاد کیا گیا ہو حالانکہ اس کا تقاضا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بدون معارض موجود ہو اور نیا متقاضی بدون معصیت عباد پیدا نہ ہوا ہو۔ مثال: جیسے عیدین کی اذان نہیں کہی جاتی تقاضا بلانے اور جمع کرنے کا موجود تھا کوئی مانع بھی نہ تھا اس کے باوجود اس کو دعوت الی اللہ کے دلائل سے ثابت کر کے جاری کیا جا سکتا ہے لیکن ایسا نہ کرنا آپ ﷺ کی سنت ترکیہ کی اتباع ہے اور اب اگر کوئی اس کے لیے علت و مصلحت بیان کرے تو وہ معتبر نہ ہو گی کیونکہ شارع علیہ السلام نے اس علت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ لہذا یہاں ممانعت کی دلیل نہ ہونے کے باوجود اذان نہ کہی جائیگی۔ اور عام ادلّہ سے استدلال درست نہ ہو گا اگر مباح کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیا جائے اور ممانعت کی شریعت پاک سے دلیل طلب کی جائے تو اس سے شریعت محمدی ﷺ بازیچہ اطفال بن جائیگی۔ حالانکہ اس کی حدود و قیود ہیں جیسے کہ قرآن پاک کے

الفاظ کی من مرضی کی تفسیر پر حدیث وسنت نے قدغن لگائی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ قرآن کے معانی اور بیان عرف نبوی اور اسوۂ نبوی ﷺ کے پابند ہیں اور (کان خُلُقُہ القُرآن) کا یہی مقصد ہے کہ قرآن کا مطلوب اسوہ رسول ﷺ،اسوہ کامل اور مجسم قرآن ہے۔

اور آپ ﷺ کی اتباع ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول اور اس کی بارگاہ میں نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو محمد رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ایسے بھی لوگ تھے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ فلاں مسئلہ تو مجھے معلوم ہے لیکن جو الفاظ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے تھے وہ بھول گیا ہوں تو وہی الفاظ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی زبان سے سننے کیلئے شام کے دارالحکومت دمشق پہنچے۔ اس کے لیے منڈی سے جا کر سواری خریدی اور سفر کیا وہاں پہنچ کر ان کے دروازے پر دستک دی اور کہا کہ میں جابر (رضی اللہ عنہ)ہوں، آپ سے ملاقات کیلئے مدینہ منورہ سے آیا ہوں، انہوں نے کہا: جابر بن عبد اللہ ؟ کہا: جی ہاں تو جلدی سے باہر تشریف لائے، معانقہ کیا اور بہت خوش ہوئے پھر دریافت کیا کہ آپ نے اتنا لمبا سفر کیوں کیا؟ فرمایا: مجھے پتہ چلا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلے کے بارے میں وہ الفاظ یاد ہیں جو اس وقت آپ نے بیان کیے تو مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں میں وہ الفاظ سننے سے پہلے مر نہ جاؤں انہوں نے جب وہ الفاظ سنائے وہ کہنے لگے اجازت دیجئے میں واپس چلتا ہوں عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ضرورت ہے اور اس کے بعد واپس جانا ہی ہے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں کھانے پینے اور آرام کرنے کی غرض سے رک جاؤں تو یہ

میرے مشن اور اخلاص کے منافی ہے جس کے لیے میں نے اتنا لمبا سفر کیا ہے۔

(ماخوذ از "مقالات تربیت)

(7) یہ خوابوں کی دنیا کے باسی!!

الشیخ حافظ محمد یونس اثری حفظہ اللہ

دنیا میں انسان کی حالتوں میں سے ایک حالت، حالت منام یعنی خوابوں کی دنیا ہے۔ انسان جو خواب دیکھتا ہے، اس کی مختلف اقسام ہیں، کہ بعض خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور بعض خوابوں کو شریعت نے مبشرات قرار دیا ہے ۔خوابوں کی تعبیر بھی عظیم علم ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ہم یہاں اس تمام تر تفصیل سے قطع نظر اس مختصر مضمون میں اس نکتہ کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ کسی نے اس خوابوں کی دنیا کا سہارا لے کر بڑے جھوٹ بولے ، کسی نے اس خوابوں کی دنیا کا سہارا لے کر اسلام کی اصل ساکھ کو مسخ کرنے کی کوشش کی ، کسی نے اس راستے سے اپنی شخصیت کو چمکانے کے راستے ڈھونڈے۔

بعض نے خوابوں کی دنیا کو اس قدر وسیع کر دیا اور یہاں تک لکھ ڈالا کہ خواب میں اللہ کا دیدار ہو جاتا ہے اور پھر اس کے لئے طرح طرح کی ریاضتوں اور من گھڑت وظائف واوراد کی طرف امت کی اکثریت جو کہ لاعلم ہے، کو پھیر کر رکھ دیا۔

اسی طرح ڈاکٹر طاہر القادری نے بھی اس راستے سے یہ دعوی کر دیا کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ سے 9 سال عالم رؤیا میں براہ راست پڑھا ہے اور کہیں کہا کہ 15 سے 20 سال خواب میں پڑھا ہے۔ ان کا یہ دعوی جھوٹا ہے اس پر یہی بات کافی ہے کہ ان کے اس قول میں تضاد موجود ہے۔ کہ کبھی 9 سال کہتے ہیں تو کبھی 15 سے 20 سال۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد

اسی طرح ان کا یہ بھی دعوی منظر عام پر آیا اور ہم نے خود سنا (جیسا کہ یوٹیوب پہ موجود ہے) کہ انہوں نے کہا کہ امام سیوطی بطریق منام میرے شیوخ میں سے ہیں

پندرہ سال انہوں نے اپنے گھر پر مجھے پڑھایا اور انہوں نے اپنا بیٹا بنایا اور وارث بنایا۔

اب یہاں اولاً یہ سوال اٹھتا ہے کہ:

یا ان کا یہ دعوی کوئی شرعی اصل رکھتا ہے یعنی کیا قرون اولی سے کوئی ایک مثال ایسی ملتی ہو بطریق منام کسی کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ اس حوالے سے اہم ترین بات یہ ہے کہ انکے اس دعوی کی کوئی شرعی اصل نہیں ملتی۔ عہد نبوی سے لیکر تمام قرون اولی کو کھنگال لیا جائے اور صرف ایک ایسی مثال پیش کی جائے کہ کہ فلاں امام، محدث وغیرہ نے خواب کے ذریعے سے کسی سے تعلیم حاصل کی ہو اسکی کوئی مثال نہیں ملتی بلکہ ائمہ نے ایسے راستوں کو بند کیا اور اصول حدیث میں اتصال سند کی شرط لگا کر شاگرد کا استاد سے حالت یقظہ میں ملاقات و سماع کی شرط لگائی۔ اگر طاہر قادری کے اصول کو لے لیا جائے تو پوری شریعت ہی خطرے میں پڑ جائے گی اور اصول حدیث کا تو جنازہ نکل جائے گا کہ ہر شخص یہ کہہ کر جان چھڑا لے گا کہ خواب میں اسے تلمذ حاصل ہو گیا ہے لہذا اب حالت ظاہری میں سماع و ملاقات کی کوئی ضرورت نہیں یہ تو اجماع امت کے خلاف ہے۔

اور اس اصول کے تحت نبی ﷺ کا خواب میں دیدار کرنے والا ہر شخص صحابی بن جاتا ہے لہذا سب سے بنیادی بات تو یہی ہے کہ خواب میں تلمذ کا دعوی کوئی شرعی اصل نہیں رکھتا۔ البتہ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ادیان غیر میں یہ بڑی حیثیت رکھتا ہے، نیز یہ طریقہ کسی اور مذہب کا تو ہو سکتا ہے مگر اسلام کا نہیں ،اسکی مثال کے لئے بائیبل میں پولس کے خطوط کی ضمن میں اس کے خوابوں اور رویا کا ذکر ہے اور آج پولس مسیحیت میں ایک رسول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک کورین

امریکن عورت چوھتا مس نے بھی 1997 میں کتاب بنام آسمان سچ مچ ایک حقیقت ہے لکھی جس مین اس نے یہ دعوی کیا کہ اس نے خداوند کو دیکھا ہے اس کے ساتھ رہی ہے اور اس کے ساتھ متعدد بار آسمان کی سیر کی ہے اور جو کچھ دیکھا ہے اسے کتاب کی صورت میں لکھنے کا بھی کہا ہے۔اس نے جوجو دعوی اور انکشافات کئے ان کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں اس کتاب کے ٹائیٹل پیج کی پچھلی جانب جو اس کتاب کا تعارف کروایا گیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

چوھتا مس اپنی چونکا دینے والی شخصی کہانی سناتی ہے کہ اس نے زندہ مسیح کو دیکھا ،وہ جہنم میں گئی اور آسمان کی سیر کی۔۔اس کتاب کے ٹائیٹل پیج کی پچھلی جانب ہی پر یہ درج ہے کہ دس مرتبہ اسکی خوابگاہ میں یسوع مسیح اس پر ظاہر ہوئے اور اس نے خداوند کے ساتھ 17 مرتبہ مختلف اوقت میں آسمان کی سیر کی۔اور خداوندنے اسے دو مرتبہ جہنم بھی دکھایا۔خلاصہ یہ کہ اس عورت نے بھی یہ اپنا یہ دعوی خوابوں ہی کے راستے کیا اور مسیحیت نے اسے تسلیم بھی کرلیا۔

اسی طرح اسلام دشمن عناصر نے بھی اسی راستے سے حملے کئے مثلا مرزا قادیانی نے بھی ابتداء خواب ہی کا سہارا لے کر نبوت کا دعوی کیا تھا۔

مندرجہ بالا امثلہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ طاہر قادری نے جو روش اختیار کی ہے یہ اصلا کن کی نقالی ہے اور کن سے ماخوذ ہے۔دوسرے لفظوں میں اس راستے سے امت کو کس طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

دوسرے نمبر پر:

ڈاکٹر طاہر القادری کا عقیدے میں امام ابو حنیفہ اور سیوطی رحمہ اللہ کے مخالف ہونا بھی ان کے اس زعم باطل کی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے۔

بہر حال ہم یہاں صرف قارئین کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے جس نے ابتدا ہی سے یہ عزم کرلیا ہے کہ ہر ممکن کوشش کرکے انسان کو گمراہ کرنا ہے، اور اللہ نے بھی اسے مہلت دے رکھی ہے اور بعض اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ انسانی نیز کسی کی بھی صورت اختیار کرسکتا ہے سوائے نبی ﷺ کی صورت کے۔ چناچہ سطور ذیل میں اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(1) شیطان شیخ عربی کی شکل میں کفار کی میٹنگ میں شریک ہوا تھا جو نبی ﷺ کے بارے میں تھی، کہ بعض کی خواہش تھی آپ ﷺ کو قتل کردیا جائے، بعض کا مشورہ تھا کہ جلاوطن کردیا جائے جسے اہلِ سیر نے تفصیل سے بیان کیا ہے نیز اسے مفسرین نے اس آیت کے تحت بیان کیا ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ

الانفال–30

یعنی: اور (اے نبی وہ وقت یاد کرو) جب کافر آپ کے متعلق خفیہ تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کردیں، یا مار ڈالیں یا جلاوطن کردیں۔ وہ بھی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کررہا تھا اور اللہ ہی سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے۔

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ

الانفال–48

یعنی: جبکہ شیطان نے انہیں ان کے اعمال خوشنما بنا کر دکھلائے اور کہنے لگا کہ "آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا مددگار ہوں" پھر جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا: "میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے"۔

بہر حال اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض غزوات میں شیطان کفار کو اکسا کے میدان میں لایا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا تو بھاگ گیا۔ جیسا کہ بدر میں سراقہ بن مالک بن جعثم کی شکل میں آیا۔ جس کا تذکرہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں ہو رہا ہے۔

(3) سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے صدقۃ الفطر کی حفاظت پر ذمہ داری لگادی، ایک شخص آیا اور اس کھانے میں سے مٹھی بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور میں نے اسے کہا: اللہ کی قسم میں تجھے نبی ﷺ کے پاس لے کر جاؤں گا وہ عذر پیش کرنے لگا کہ میں بہت محتاج شخص ہوں، میرا اہل وعیال ہے مجھے سخت ضرورت ہے میں نے ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے پوچھا ابو ھریرہ تمہارے قیدی نے کل رات کیا کیا؟ میں نے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ اس نے اپنی سخت حاجت پیش کی میں نے ترس کھا کے اسے چھوڑ دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ جھوٹا ہے وہ کل پھر آئے گا۔ نبی ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ وہ پھر آیا اور طعام میں سے اٹھانے لگا میں نے اسے پکڑ لیا۔ اس بار بھی وہ منتیں سماجتیں کرنے لگا اور تنگ حالی کے عذر پیش کرنے لگا اور کہنے لگا کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے پھر پوچھا ابو ھریرہ تمھارے قیدی نے رات کو کیا کیا؟ میں نے پھر ساری تفصیل بیان کردی کہ اسکی منتوں، سماجتوں کی وجہ سے ترس کھا کے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ وہ جھوٹا ہے دوبارہ آئے گا۔ تیسری مرتبہ میں نے اسے دوبارہ پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ اب تو میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس ضرور لیکر جاؤں گا۔ اب یہ آخری مرتبہ ہے تو نے کہا تھا کہ میں نہیں آؤں گا اور اب پھر پکڑے گئے ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ

دو میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاتا ہوں جس کے ذریعے سے اللہ تمہیں فائدہ دے گا ۔ میں نے پوچھا: وہ کیا ہے ؟ اس نے کہا: جب بھی بستر پر آرام کے لئے آؤ تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ اللہ تعالی ایک حافظ مقرر فرمادے گا اور صبح تک شیطان بھی تمہارے قریب نہ آسکے گا۔ میں نے پھر اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے پھر پوچھا کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا ؟ میں نے کہا کہ اس نے مجھے کہا کہ میں تمہیں کچھ کلمات سکھاتا ہوں جن کی وجہ سے اللہ تمہیں فائدہ دے گا۔ ان کلمات کی وجہ سے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: وہ کلمات کون سے ہیں: میں نے کہا کہ اس نے مجھے کہا کہ جب بھی رات کو بستر پہ آرام کرنے آؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو اللہ تعالی ایک محافظ بھی مقرر فرمادے گا اور صبح تک شیطان بھی تمہارے قریب نہ آسکے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ جھوٹا تھا لیکن یہ بات سچی کر گیا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے پوچھا: جانتے ہو ابو ھریرہ یہ تین دن تک تمہارے پاس آنے والا شخص کون تھا ؟ میں نے کہا: نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ! میں نہیں جانتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ شیطان تھا۔

صحيح البخاري: 2311 كِتَاب الوَكَالَةِ، بَابُ إِذَا وَكَّلَ رَجُلًا، فَتَرَكَ الوَكِيلُ شَيْئًا فَأَجَازَهُ المُوَكِّلُ فَهُوَ جَائِزٌ، وَإِنْ أَقْرَضَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى جَازَ

نبی ﷺ نے دجال کے فتنے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِنَّ مِنْ فِتْنَتِهِ أَنْ يَقُولَ لِأَعْرَابِيٍّ أَرَأَيْتَ إِنْ بَعَثْتُ لَكَ أَبَاكَ وَأُمَّكَ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَبُّكَ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيَتَمَثَّلُ لَهُ شَيْطَانَانِ فِي صُورَةِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَيَقُولَانِ يَا بُنَيِّ اتَّبِعْهُ فَإِنَّهُ رَبُّكَ

سنن ابن ماجه/957

یعنی اس کا فتنہ یہ ہوگا کہ ایک گنوار دیہاتی سے کہے گا دیکھ اگر میں تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو مجھ کو اپنا رب کہے گا؟ وہ دیہاتی کہے گا: بے شک ! میں تجھے اپنا رب مان

لوں گا۔ پھر دو شیطان دجال کے حکم سے اس کے ماں باپ کی صورت بن کر آئیں گے اور کہیں گے بیٹا اسکی اطاعت کر یہ تیرا رب ہے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ شیطان کسی کے والدین کا روپ دھار کر بھی اس کی گمراہی کا سبب بن سکتا ہے۔

(5) قَالَ عَبْدُ اللهِ (إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَتَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ رَجُلٍ ثُمَّ تَأْتِي الْقَوْمَ فَتُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُونَ فَيَأْتِي الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَيَقُولُ سَمِعْتُ رَجُلاً أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلاَ أَدْرِي مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ كَذَا وَكَذَا وَمَا ابْتَدَأَهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ

رواہ مسلم فی مقدمة صحیحه باب النهی عن الروایة عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملها

یعنی: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان انسانی شکل وصورت میں قوم کے پاس آکر ان سے کوئی جھوٹی بات کہہ دیتا ہے لوگ منتشر ہوتے ہیں ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے ایسے آدمی سے سنا یہ بات سنی ہے جس کی شکل سے واقف ہوں لیکن اس کا نام نہیں جانتا۔

(6) شیطان کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي

صحیح البخاری، کتاب العلم، رقم 111/ صحیح مسلم 1422

یعنی: جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا تو یقینا اس نے مجھے دیکھ لیا اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

:خلاصہ کلام ان تمام دلائل کی روشنی میں درج ذیل ہے

(ا) شیطان انسانی شکل وصورت اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(ب) شیطان کسی کی بھی شکل وصورت اختیار کر سکتا ہے، سوائے نبی ﷺ کے۔

(ج) شیطان خواب میں آکر بھی گمراہ کرتا ہے اور حالت بیداری میں آکر بھی۔

(د)بسا اوقات شیطان ایسی چیز بھی بتا دیتا ہے جو بظاہر دینی ہو اور صحیح نظر آرہی ہو کیونکہ جب یہ شیطان آیۃ الکرسی پڑھنے کا وظیفہ بتا سکتا ہے، جس کی تصدیق نبی ﷺ نے بھی کر دی، تو وہ ایسی چیز بھی بتا سکتا ہے جو بظاہر دینی ہو اصلا عقیدے و ایمان پر حملہ ہو

۔

(ھ)شیطان قریبی عزیزوں تک کا روپ دھار سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ دو شیطانوں نے اعرابی کے والدین کا روپ دھار لیا تھا۔

(8) رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا آخری باب، رفیق اعلیٰ کی جانب

الشیخ حماد امین چاولہ حفظہ اللہ

پہلے مجھے پڑھیں:

))علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ، آپ کا شمار دورِ حاضر کے معروف سیرت نگاروں میں ہوتا ہے ، سیرتِ رسولِ مصطفی ﷺ پر آپ کی کئیں گراں قدر تصانیف ہیں جن میں سرِ فہرست عالمی مقابلہ سیرت نگاری میں پہلا درجہ حاصل کرنے والی مایہ ناز تصنیف "الرحیق المختوم" ہے، جو عربی، انگلش کے علاوہ اردو زبان میں بھی موجود ہے، اسی مایہ ناز کتاب کا ایک باب قارئین کی خدمت میں پیشِ نظر ہے جو نبی رحمت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری مبارک ایام کے ذکر پر مشتمل ہے۔اس باب کا انتخاب بطورِ مضمون کے اس لئے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو جہاں ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام کی کیفیت معلوم ہو وہاں دوسری طرف اصحابِ محمد صحابا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مبارک شخصیات پر جو اس قسم کے غلیظ اعتراضات کیے جاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے صحابا کرام کا کوئی تعلق نہیں رہا، یا صحابانے آپ ﷺ کا جنازہ نہیں پڑھا، یارات کی تاریکی میں رسول اللہ ﷺ کی تدفین کی گئی، یارسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد معاذ اللہ صحابہ کو کوئی غم وافسوس نہیں تھا بلکہ انہیں خلافت وحکومت اختیار کرنے کی فکر تھی۔۔۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔ لہٰذا اس تحریر میں راقم نے چند واجبی توضیحات کا اضافہ کردیا ہے جسے بین القوسین کرکے سرخ رنگ سے نمایاں کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس کو محترم شیخ صفی الرحمٰن رحمہ اللہ کی تحریر کو سمجھنے میں بھی آسانی

ہو اور غیر جانبدار ہو کر انصاف کے ساتھ پڑھنے والے کو صحابا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیات پر کیے جانے والے مذکورہ اعتراضات کے جوابات بھی حاصل ہو جائیں۔ حم۔

الوداعی آثار:

)رسول اللہ ﷺ کی رحلت سے پہلے کی علامات:

جب دعوت دین مکمل ہو گئی اور عرب کی نکیل اسلام کے ہاتھ میں آ گئی تو رسول اللہ ﷺ کے جذبات واحساسات ، احوال وظروف اور گفتارو کردار سے ایسی علامات (نشانیاں)نمودار ہونا شروع ہوئیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ ﷺ اس حیات مستعار(دنیاوی زندگی) کو اور اس جہان فانی کے باشندگان (لوگوں) کو الوداع کہنے والے ہیں۔ مثلاً:

آپ ﷺ نے رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف فرمایا جبکہ ہمیشہ دس ہی دن اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

پھر سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اس سال دو مرتبہ قرآن کا دَور کرایا جبکہ ہر سال ایک ہی مرتبہ دَور کرایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: مجھے معلوم نہیں غالبا میں اس سال کے بعد اپنے اس مقام پر تم لوگوں سے کبھی نہ مل سکوں گا۔

جمرۂ عقبہ کے پاس فرمایا: مجھ سے اپنے حج کے اعمال سیکھ لو۔ کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں گا۔

آپ ﷺ پر ایام تشریق (ذوالحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳ تاریخ جو حاجی دورانِ حج منی میں گزارتے ہیں)کے وسط میں سورۂ نصر نازل ہوئی۔ اور اس سے آپ ﷺ نے سمجھ لیا کہ اب

دنیا سے روانگی کا وقت آن پہنچا ہے۔ اور یہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) موت کی اطلاع ہے۔

اوائل صفر ۱۱ھ میں آپ ﷺ دامنِ اُحد میں تشریف لے گئے۔ اور شہداء کے لیے اس طرح دعا فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آکر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور فرمایا: میں تمہارا میر کارواں ہوں۔ اور تم پر گواہ ہوں۔ واللہ! میں اس وقت اپنا حوض (حوضِ کوثر) دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔ اور واللہ! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے۔ بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دنیا کے بارے میں تنافس (ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش) کروگے۔1

ایک روز نصف رات کو آپ ﷺ بقیع تشریف لے گئے۔ اور اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی۔ فرمایا: اے قبر والو! تم پر سلام! لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آرہے ہیں۔ اور بعد والا پہلے سے زیادہ برا ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر اہل قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آملنے والے ہیں۔

مرض کا آغاز:

۲۹ صفر ۱۱ھ روز دوشنبہ (پیر) کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر راستے ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا۔ اور حرارت اتنی تیز ہو گئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی۔ یہ آپ ﷺ کے مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ ﷺ نے اسی حالتِ مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی۔ مرض کی کل مدت ۱۳ یا ۱۴ دن تھی۔

آخری ہفتہ:

رسول اللہ ﷺ کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی جارہی تھی۔ اس دوران آپ ﷺ ازواج مطہرات سے پوچھتے رہتے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں کل کہاں رہوں گا؟ (یعنی رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ آپ یہ ایام اپنی سب سے محبوب زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کے پاس گذاریں، یہی وجہ تھی کہ آپ سیدہ عائشہ کی باری کے منتظر تھے اور بار بار پوچھتے کہ کل کس کی باری ہے؟) اس سوال سے آپ ﷺ کا جو مقصود تھا ازواجِ مطہرات اسے سمجھ گئیں۔ چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی کہ آپ ﷺ جہاں چاہیں رہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کے مکان میں منتقل ہوگئے۔ منتقلی کے وقت سیدنا فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے درمیان ٹیک لگا کر چل رہے تھے۔ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اور پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس کیفیت کے ساتھ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کے مکان میں تشریف لائے۔ اور پھر حیاتِ مبارکہ کا آخری ہفتہ وہیں گذارا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا معوذات (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) اور رسول اللہ ﷺ سے حفظ کی ہوئی دعائیں پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کرتی رہتی تھیں۔ اور برکت کی امید میں آپ ﷺ کا ہاتھ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیرتی رہتی تھیں۔

اس وقت آپ ﷺ نے مرض کی شدت میں کچھ کمی محسوس کی۔ اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ سر پر پٹی معیالی بندھی ہوئی تھی۔ منبر پر فروکش ہوئے اور بیٹھ کر خطبہ دیا۔ یہ آخری بیٹھک تھی جو آپ ﷺ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا: لوگو! میرے پاس آجاؤ۔ لوگ آپ ﷺ کے قریب آگئے۔ پھر آپ ﷺ نے جو فرمایا اس میں یہ فرمایا: "یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔" ایک

روایت میں ہے کہ "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی مار کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجد بنایا۔"2

)یعنی وہاں وہ سب عبادت کے کام، رکوع، سجود کرنا، انبیاء کو پکارنا، اُن سے مدد طلب کرنا، اُن کی قبروں پر جھکنا وغیرہ یہ سب کام کرنے لگے جو صرف عبادت گاہ اور مسجد میں کیے جاتے ہیں اور صرف اللہ کے لیے کیے جاتے ہیں اور چونکہ عبادت بشمول اپنی تمام صورتوں و اقسام کے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے اور اللہ ہی کے حکم سے اور اُسی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرنا لازم ہے لہٰذا یہود و نصاری اسے غیر اللہ کے لیے انجام دینے لگے جس کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کو ملعون (لعنتی) قرار دیا۔ اور یہاں انتہائی قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہود و نصاری نے تو یہ اعمالِ عبادت انبیاء علیہم السلام کے لیے کیے تھے جس پر وہ لسانِ صادق المصدوق ﷺ سے ملعون قرار دیے گئے تو جو لوگ یہ اعمالِ عبادت انبیاء علیہم السلام سے نچلے اور کم تر درجہ کے لوگوں کے لیے انجام دیں وہ کیا ملعون نہ ہوں گے؟؟؟ اور جو اعمال رکوع، سجود، جھکنا، نذر و نیاز، ذبح کرنا، قبروں کا طواف کرنا وغیرہ وغیرہ انبیاء علیہم السلام تک کے لیے انجام نہیں دیے جا سکتے وہ کیسے کسی غیر نبی کے جائز ہو سکتے ہیں؟ اگرچہ وہ کتنے ہی پہنچے ہوئے بزرگ، ولی اللہ، پیر، امام ہی کیوں نہ ہوں، ہیں تو غیر نبی ہی ناں جو انبیاء کے مقام تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔(

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔"3

پھر آپ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا اور فرمایا: "میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔ اور کسی کی آبرو پر بٹہ لگایا ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز پڑھائی، اور پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ اور عدالت وغیرہ سے متعلق اپنی پچھلی باتیں دہرائیں۔ ایک شخص نے کہا: آپ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپ ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: انہیں ادا کر دو۔

اس کے بعد انصار (صحابہ) کے بارے میں وصیت فرمائی۔ فرمایا: "میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ لہٰذا ان کے نیکوکار سے قبول کرنا۔ اور ان کے خطاکار سے درگذر کرنا۔" ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ لہٰذا تمہارا جو آدمی کسی نفع اور نقصان پہنچانے والے کام کا والی (ذمہ دار) ہو تو وہ ان کے نیکوکاروں سے قبول کرے اور ان کے خطاکاروں سے درگذر کرے۔"4

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو کچھ چاہے اللہ اسے دے دے، یا (وہ) اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا۔"

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ بات سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: ہم اپنے ماں باپ سمیت آپ پر قربان۔ اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا: اس بوڑھے کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو چاہے اللہ اسے دے دے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے۔ اور یہ

بوڑھا کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان۔ (لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ) جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے (کہ اُسی وقت یہ سمجھ گئے تھے رسول اللہ ﷺ خود اپنی ہی بات کر رہے ہیں)۔5

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر اپنی رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ صاحبِ احسان ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو خلیل بناتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن (ان کے ساتھ) اسلام کی اخوت و محبت (کا تعلق) ہے۔ مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے لازماً بند کر دیا جائے، سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔6

چار دن پہلے:

وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو جب کہ آپ ﷺ سخت تکلیف سے دوچار تھے فرمایا: لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس وقت گھر میں کئی آدمی تھے۔ جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا: آپ ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ بس اللہ کی یہ کتاب تمہارے لیے کافی ہے۔ اس پر گھر کے اندر موجود لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور وہ جھگڑ پڑے۔ کوئی کہہ رہا تھا: لاؤ رسول اللہ ﷺ لکھ دیں۔ اور کوئی وہی کہہ رہا تھا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ اس طرح لوگوں نے جب زیادہ شوروشغب اور اختلاف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔7

پھر اسی روز آپ ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ ایک اس بات کی وصیت کی کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔ دوسرے اس بات

کی وصیت کی کہ وفود کی اسی طرح نوازش کرنا جس طرح آپ ﷺ کیا کرتے تھے۔ البتہ تیسری بات کو راوی بھول گیا۔ غالباً یہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی وصیت تھی یا لشکرِ اسامہ کو نافذ کرنے کی وصیت تھی۔ یا آپ ﷺ کا یہ ارشاد تھا کہ "نماز اور تمہارے زیرِ دست "یعنی غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھنا۔

رسول اللہ ﷺ مرض کی شدت کے باوجود اس دن تک، یعنی وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) تک تمام نمازیں خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپ ﷺ ہی نے پڑھائی۔ اور اس میں "سورۂ والمرسلاتِ عُرفا" پڑھی۔8 لیکن عشاء کے وقت مرض کا ثقل اتنا بڑھ گیا کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں، یارسول اللہ ﷺ! اور وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ اور اس کے بعد اٹھنا چاہا لیکن آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں، یارسول اللہ ﷺ! اور وہ آپ ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ اور پھر سہ بارہ وہی بات پیش آئی جو پہلی بار پیش آچکی تھی کہ آپ ﷺ نے غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی۔ بالآخر آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں نماز پڑھائی۔9 نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ان کی پڑھائی ہوئی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔ جمعرات کی عشاء، دوشنبہ کی فجر اور بیچ کے تین دنوں کی پندرہ نمازیں۔10

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے تین یا چار بار مراجعہ فرمایا کہ امامت کا کام سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور کو سونپ دیں۔ ان کا منشاء یہ تھا کہ لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بد شگون نہ ہوں۔11

لیکن نبی ﷺ نے ہر بار انکار فرمادیا۔ اور فرمایا: تم سب یوسف والیاں ہو۔12

ابو بکر رضی اللہ عنہ کو (میری طرف سے) حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔31

تین دن پہلے:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات سے تین دن پہلے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے: "یاد رکھو تم میں سے کسی کو موت نہیں آنی چاہیے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔"41

ایک دن یا دو دن پہلے:

سنیچر یا اتوار کو نبی ﷺ نے اپنی طبیعت میں قدرے تخفیف محسوس کی، چنانچہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ اور لانے والوں سے فرمایا کہ مجھے ان کے بازو میں بٹھا دو۔ چنانچہ آپ ﷺ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دائیں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکبیر سنا رہے تھے۔51

ایک دن پہلے:

وفات سے ایک دن پہلے بروز اتوار نبی ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرمادیا۔ پاس میں چھ یا سات دینار تھے انہیں صدقہ کر دیا۔61

اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرمادیے۔ رات میں چراغ جلانے کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا نے چراغ پڑوسی کے پاس بھیجا کہ اس میں اپنی کپی سے ذرا سا گھی ٹپکا دیں۔ 71 آپ ﷺ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (کوئی ۷۵ کلو) جَو کے عوض رہن (گروی) رکھی ہوئی تھی۔ 81

حیاتِ مبارکہ کا آخری دن:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو شنبہ کے روز مسلمان نماز فجر میں مصروف تھے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت فرمارہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرے کا پردہ ہٹایا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو صفیں باندھے نماز میں مصروف تھے نظر ڈالی، پھر تبسم فرمایا۔ ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑی کے بل پیچھے ہٹے کہ صف میں جاملیں۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ (کے اس اچانک ظہور سے) مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہتے تھے کہ نماز کے اندر ہی فتنے میں پڑجائیں۔ (یعنی آپ ﷺ کی مزاج پرسی کے لیے نماز توڑ دیں) لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرلو، پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرالیا۔ 19

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔

دن چڑھے چاشت کے وقت آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کچھ سرگوشی کی، وہ رونے لگیں تو آپ ﷺ نے انہیں پھر بلایا اور کچھ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ بعد میں ہمارے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ (پہلی بار) نبی ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ ﷺ اسی مرض میں وفات پاجائیں گے۔ اس لیے

میں روئی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ کے اہل و عیال میں سب سے پہلے میں آپ ﷺ کے پیچھے جاؤں گی۔ اس پر میں ہنسی۔20

نبی ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بشارت بھی دی کہ آپ ساری خواتینِ عالم کی سَیدہ (سردار) ہیں۔21

اس وقت رسول اللہ ﷺ جس شدید کرب سے دوچار تھے اسے دیکھ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بے ساختہ پکار اٹھیں۔

واہ کرب اَباہ۔ "ہائے ابّا جان کی تکلیف۔" آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ابّا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں۔22

آپ ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چُوما اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین کو بلایا اور انہیں وعظ و نصیحت کی۔

ادھر لمحہ بہ لمحہ تکلیف بڑھتی جارہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا جسے آپ ﷺ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے: اے عائشہ! خیبر میں جو کھانا میں نے کھالیا تھا اس کی تکلیف برابر محسوس کررہا ہوں۔ اس وقت مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رگِ جاں کٹی جارہی ہے۔23

ادھر چہرے پر آپ ﷺ نے ایک چادر ڈال رکھی تھی۔ جب سانس پھولنے لگتا تو اسے چہرے سے ہٹا دیتے۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا: (اور یہ آپ ﷺ کا آخری کلام اور لوگوں کے لیے آپ ﷺ کی آخری وصیت تھی) کہ یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا... ان کے

اس کام سے آپ ﷺ ڈرا رہے تھے ... سرزمین عرب پر دو دین باقی نہ چھوڑے جائیں۔24 آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی وصیت فرمائی۔ فرمایا:))الصلاۃ الصلاۃ وما ملکت ایمانکم((

ماز، نماز، اور تمہارے زیرِ دست "(یعنی لونڈی، غلام (آپ ﷺ نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے۔25

نزع رواں:

پھر نزع کی حالت شروع ہو گئی۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اپنے اُوپر سہارا دے کر ٹیک لیا۔ ان کا بیان ہے کہ اللہ کی ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں، میری باری کے دن میرے لَبّے اور سینے کے درمیان وفات پائی۔ اور آپ ﷺ کی موت کے وقت اللہ نے میرا لعاب اور آپ ﷺ کا لعاب اکٹھا کر دیا۔ (سیدہ فرماتی ہیں کہ) ہوا یہ کہ عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ اور میں رسول اللہ ﷺ کو ٹیکے ہوئے تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ مسواک چاہتے ہیں۔ میں نے کہا: آپ ﷺ کے لیے لے لوں؟ آپ ﷺ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں! میں نے مسواک لے کر آپ ﷺ کو دی تو آپ کو کڑی (سخت) محسوس ہوئی۔ میں نے کہا: اسے آپ ﷺ کے لیے نرم کر دوں؟ آپ ﷺ نے سر کے اشارے سے کہا ہاں! میں نے مسواک نرم کر دی، اور آپ ﷺ نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپ ﷺ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپ ﷺ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے۔ لا إلہ إلا اللہ، اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ موت کے لیے سختیاں ہیں۔26 مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپ ﷺ نے ہاتھ یا

انگلی اٹھائی، نگاہ چھت کی طرف بلند کی۔ اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ ﷺ فرما رہے تھے: "ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے ،۔ مجھ پر رحم کر، اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ! رفیق اعلیٰ۔"27 آخری فقرہ تین بار دہرایا، اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا۔ اور آپ ﷺ رفیقِ اعلیٰ سے جا لاحق ہوئے۔

اِناللہ واِنا اِلیہ راجعون۔

یہ واقعہ ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ (پیر) کو چاشت کی شدت کے وقت (زوال سے پہلے) پیش آیا۔ اس وقت نبی ﷺ کی عمر تریسٹھ سال چار دن ہو چکی تھی۔

غم ہائے بیکراں:

اس حادثۂ دلفگار (دل چیر دینے والے حادثہ) کی خبر فوراً پھیل گئی، اہلِ مدینہ پر کوہِ غم (غم کا پہاڑ) ٹوٹ پڑا۔ آفاق واطراف تاریک ہو گئے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور تابناک (روشن، چمکدار) دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اور جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔28

آپ ﷺ کی وفات پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرطِ غم سے فرمایا:

یا أبتاہ، أجاب ربًا دعاہ، یا أبتاہ، من جنۃ الفردوس مأواہ، یا أبتاہ، إلی جبریل ننعاہ۔

صحیح البخاری، باب مرض النبی 2/641

"ہائے ابا جان! جنہوں نے پروردگار کی پکار پر لبیک کہا۔ ہائے ابا جان ! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ ہائے ابا جان! ہم جبریل علیہ السلام کو آپ ﷺ کی موت کی خبر دیتے ہیں۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف:

وفات کی خبر سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش جاتے رہے۔ انہوں نے (شدتِ غم میں) کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا: کچھ منافقین سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی، بلکہ آپ ﷺ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ جس طرح موسیٰ بن عمران علیہ السلام تشریف لے گئے تھے۔ اور اپنی قوم سے چالیس رات غائب رہ کر ان کے پاس پھر واپس آ گئے تھے۔ حالانکہ واپسی سے پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ بھی ضرور پلٹ کر آئیں گے۔ اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی موت واقعہ ہو چکی ہے۔30

(یعنی شدتِ غم میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اب ہم میں موجود نہیں رہے بلکہ وفات پا چکے ہیں اور اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے ہیں)۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا موقف:

ادھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سنح میں واقع اپنے مکان سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے۔ اور اُتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ پھر لوگوں سے کوئی بات کیے بغیر سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ، اور رسول اللہ ﷺ کا قصد فرمایا، آپ ﷺ کا جسدِ مُبارک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (پیارے نبی ﷺ کے) رُخ انور (روشن چہرہ) سے چادر ہٹائی۔ اور اسے چوما اور

روئے۔ پھر فرمایا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ، اللہ آپ ﷺ پر دو موت جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپ ﷺ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ ﷺ کو آچکی۔
اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کر رہے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: عمر! بیٹھ جاؤ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
أما بعد: من كان منكم يعبد محمداً ﷺ فإن محمداً قد مات ومن كان منكم يعبد الله فإن الله حي لا يموت۔ قال الله تعالىٰ:

"اما بعد! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو (وہ جان لے) کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کبھی نہیں مرے گا، (پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی) اللہ کا ارشاد ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

آل عمران- 144

' "محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر رسول ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ (محمد ﷺ) فوت ہو جائیں یا ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے تو (یاد رکھے کہ) وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جواب تک فرطِ غم سے حیران و ششدر تھے انہیں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب سن کر یقین آگیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی رحلت فرما چکے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ واللہ! (اللہ کی قسم) ایسا لگتا تھا گویا لوگوں نے (پہلے) جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے۔ یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے ان سے یہ آیت اخذ (حاصل) کی۔ اور اب جس کسی انسان کو میں سنتا تو وہ اسی کو تلاوت کر رہا ہوتا۔

سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ! میں نے جوں ہی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا (تو اس سانحہ پر یقین ہوتے ہی ،ہمت جواب دے گئی) خاک آلود ہو کر (دھرا کا دھرا) رہ گیا۔ (یا میری پیٹھ ٹوٹ کر رہ گئی) حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے اور حتیٰ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر (شدتِ غم سے) میں زمین کی طرف لڑھک گیا۔ کیونکہ میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔31

تجہیز و تکفین اور تدفین:

) تجہیز و تکفین سے پہلے خلیفہ کا تعین، اسباب و وجوہات

اہل بیت کرام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے یہ مرحلہ انتہائی المناک وافسوسناک، صبر آزما ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی پریشان کن بھی تھا کیونکہ:

ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی وفات کا غم تھا۔

تو دوسری طرف اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام دشمن عناصر کی جانب سے اسلام و مسلمانوں کے خلاف حملوں و مختلف ہتھکنڈوں کے سامنے آنے کا شدید خدشہ بھی تھا۔

اور پھر مسلمانوں کے اندر منافقین کا ہونا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا جو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے جن کے ذریعہ وہ اندر و باہر سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں۔

لہٰذا اس تناظر میں:

جس دین اور معاشرے کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے 23 سالوں میں تعمیر کیا تھا کہیں اسے نقصان نہ پہنچے،

اسلام و مسلمانوں کے خلاف دشمنانِ اسلام کے عزائم کامیاب نہ ہوں،

اور کہیں مسلمانوں کا شیرازہ نہ بکھر جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد، آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے بھی پہلے انتشار کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

اسی لیے مسلمانوں کو فوراً بلا تاخیر ایک ایسی قیادت کی ضرورت تھی جو اس نازک صورتحال میں اپنے علم، فہم و فراست اور بلند حوصلوں سے ایک طرف تو دشمنانِ اسلام کے عزائم کو مٹی میں ملا سکے اور دوسری طرف مسلمانوں کو منتشر ہونے سے بچا سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جلیل القدر صحابہ کرام و اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے موقع کی نزاکت کو سمجھا اور رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے پہلے فوری اس مسئلہ کو حل کرنا ضروری سمجھا۔

رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے پہلے اس معاملہ کو حل کرنا اس لیے بھی ضروری ہو گیا تھا کیونکہ آگے فوری پیش آنے والے معاملات کا تعلق خود رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین، نمازِ جنازہ اور تدفین سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے جسدِ اطہر کو غسل

دینا ہے یا نہیں؟ اور اگر دینا ہے تو کون اور کیسے دے گا؟ اور پھر آپ ﷺ کا جنازہ کیسے پڑھا جائیگا؟ اور پھر آپ ﷺ کی تدفینِ مبارک کہاں اور کس انداز سے ہو گی؟ یہ وہ سوالات ہیں کہ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں کسی نے نہیں سوچا تھا اور چونکہ ان معاملات کا تعلق کسی عام آدمی سے نہیں بلکہ انبیاء کے امام ،اولادِ آدم کے سردار سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ تھا ،لہٰذا مسلمانوں کو فوری قیادت کی ضرورت تھی جس کے زیرِ سایہ اختلاف و انتشار سے بچا جا سکے اور بخیر و خوبی صحیح انداز سے ان معاملات کو نبھایا جا سکے۔

لہٰذا سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اس مسئلہ کو فوری حل کیا گیا اور بالاتفاق سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا بطورِ خلیفہ و قائد انتخاب کیا گیا اور اُن کے ہاتھ پر متفقہ بیعت کی گئی۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مسلمانوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی بھی شخصیت کو بطورِ قائد تسلیم کرنا آسان نہ تھا اس لیے بھی بطورِ خلیفہ و قائد ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو:

’ ’صحبت و معیت میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریب ہو“۔

یہ ایک وجہ ہی ان کے خلیفہ بننے کے لیے کافی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فوری بعد تمام مسلمانوں کی امامت، قیادت و سیادت کے لیے وہی شخصیت سب سے موزوں ہو سکتی تھی جسے رسول اللہ ﷺ کے مزاج و عادات، پسند و ناپسند، آپ ﷺ کے اندازِ سیاست و حکومت سے نہ صرف یہ کہ بھرپور آگاہی ہو بلکہ سب سے بڑھ کر واقفیت ہو اور یہ سب صرف اسی شخص کے لیے ممکن ہو سکتا تھا جو ”صحبت و معیت میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریب ہو“۔

اسی طرح یہ بھی ضروری تھا کہ وہ مسلمانوں کی نظر میں اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے مسلمانوں میں سب سے افضل ہو ، باعلم ہونے کے ساتھ ساتھ فہم وفراست میں بھی سب سے بڑھ کر ہو، ہمت ، حوصلہ، عزم اور شجاعت و دلیری میں سب سے بلند ہو،اور سیاستِ شرعیہ کے ساتھ ساتھ حکمت و بصیرت، حلم وبردباری اور دانائی میں اس کا مقام سب سے بلند ہو،جو حکومت و سیاست کے اتار چڑھاؤ سے آگاہ ہو اور جس میں مشکل اور سخت وقت میں فیصلہ لینے کی مکمل صلاحیت ہو، اسلام و مسلمانوں کے دفاع اور دشمن کے کسی بھی حملہ کا بھرپور جواب دینے کی مکمل سکت موجود ہو،معاشرے میں رونما ہونے والے کسی بھی فتنہ یا فساد سے نمٹنے کی بھرپور طاقت ہو،ہر صلاحیت کو صحیح وقت پر صحیح موقع پر استعمال کرنے کی فہم و فراست ہو کہ کب طاقت کا استعمال کرنا ہے اور کب حکمت ونرمی سے معاملہ سلجھانا ہے۔اور یہ سب عزیمت والی بلند صفات تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے بڑھ کر بدرجہ اتم صدیقِ کائنات سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ میں موجود تھیں۔

لہٰذا یہ وہ چند اہم اسباب و وجوہات ہیں جن کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے خلیفہ کے انتخاب کو ضروری سمجھا گیا اور خلافت کے منصب کے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ وارضاہ کا تعین ہوا۔ اسی تناظر میں علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں((:

تجہیز و تکفین اور تدفین:

ادھر نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی آپ ﷺ کی جانشینی کے معاملے میں اختلاف پڑ گیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین وانصار کے درمیان بحث ومناقشہ ہوا، حجت و گفتگو ہوئی۔ سوال وجواب ہوا۔ اور بالآخر سیدنا ابو بکر رضی اللہ

عنہ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ اس کام میں دوشنبہ (پیر) کا باقی ماندہ دن گذر گیا۔ اور رات آ گئی۔ لوگ نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین کے بجائے اس دوسرے کام (کو سنبھالنے) میں مشغول رہے۔ پھر رات گذر گئی۔ اور منگل کی صبح ہوئی۔ اس وقت تک آپ ﷺ کا جسد مبارک ایک دھاردار یمنی چادر سے ڈھکا بستر ہی پر (آرام فرما) رہا۔ گھر کے لوگوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

منگل کے روز آپ ﷺ کو کپڑے اتارے بغیر (آپ ﷺ کے لباس ہی میں) غسل دیا گیا۔ غسل دینے والے حضرات یہ تھے۔ سیدنا عباس (رسول اللہ ﷺ کے چچا)، سیدنا علی (رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی)، سیدنا عباس کے دو صاحبزادگان فضل اور قثم، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران، سیدنا اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ سیدنا عباس، فضل اور قثم رضی اللہ عنھم آپ ﷺ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ سیدنا اسامہ اور شقران رضی اللہ عنہما پانی بہا رہے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے۔ اور سیدنا اوس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنے سینے سے ٹیک رکھا تھا۔32 (اس کے علاوہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے پھوپھی زاد تھے وہ بھی آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں شامل رہے)۔

آپ ﷺ کو پانی اور بیر کی پتی سے تین غسل دیا گیا۔ اور قباء میں واقع سعد بن خیثمہ کے غرس نامی کنویں سے غسل دیا گیا۔ آپ ﷺ اس کا پانی پیا کرتے تھے۔33

اس کے بعد آپ ﷺ کو تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی (شامل) نہ تھی۔34

بس آپ ﷺ کو چادروں ہی میں لپیٹ (کر کفن) دیا گیا تھا۔

آپ ﷺ کی آخری آرام گاہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام کی آرائیں مختلف تھیں، لیکن سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی نبی بھی نہیں اٹھایا گیا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں اٹھایا گیا (یعنی جہاں وہ فوت ہوا)۔ اس فیصلے کے بعد سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپ ﷺ کی وفات ہوئی تھی۔ اور اسی کے نیچے قبر کھودی۔ قبر لحد والی (بغلی) کھودی گئی تھی۔

اس کے بعد باری باری دس دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حجرہ شریف میں داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔ کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کے خانوادہ (بنو ہاشم) نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے، اور ان کے بعد بچوں نے۔35

نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گذر گیا، اور چہار شنبہ (بدھ) کی رات آ گئی۔ رات میں آپ ﷺ کے جدِ پاک کو سپردِ خاک کیا گیا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تدفین کا علم نہ ہوا، یہاں تک کہ ہم نے بدھ کی رات کے درمیانی اوقات میں (اور ایک روایت کے مطابق، آخر رات میں) پھاوڑوں کی آواز سنی۔36

****

حوالہ جات:

(1 متفق علیہ۔ صحیح بخاری ۲/۵۸۵، فتح الباری ۳/۲۴۸ حدیث نمبر ۳۵۹۶، ۱۳۴۴، ۴۰۴۲، ۶۵۹۰، ۶۴۲۶، ۴۰۸۵

(2 صحیح بخاری ۱/۶۲ مؤطا امام مالک ص ۳۶۰

(3 موطا امام مالک ص ۶۵

(4 صحیح بخاری ۱/ ۵۳۶

(5 متفق علیہ: مشکوٰۃ ۲/ ۵۴۶، ۵۵۴

(6 صحیح بخاری ۱/ ۵۱۶

(7 متفق علیہ: صحیح بخاری ۱/ ۲۲، ۴۲۹، ۲، ۴۴۹/ ۶۳۸

(8 صحیح بخاری عن ام الفضل، باب مرض النبی ﷺ ۲/ ۶۳۷

(9 متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/ ۱۰۲

(10 بخاری مع فتح الباری ۲/ ۱۹۳، حدیث نمبر ۶۸۱، مسلم: کتاب الصلاۃ ۱/ ۳۱۵ حدیث نمبر ۱۰۰، مسند احمد ۶/ ۲۲۹

(11 اس کے لیے دیکھئے: بخاری مع فتح الباری ۷/ ۵۷۷ حدیث نمبر ۴۴۴۵ مسلم کتاب الصلاۃ ۱/ ۳۱ حدیث نمبر ۹۳، ۹۴

(12 سیدنا یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں جو عورتیں عزیز مصر کی بیوی کو ملامت کر رہی تھیں وہ بظاہر تو اس کے فعل کے گھٹیا پن کا اظہار کر رہی تھیں۔ لیکن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر جب انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں تو معلوم ہوا کہ یہ خود بھی در پردہ ان پر فریفتہ ہیں۔ یعنی وہ زبان سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ لیکن دل میں کچھ اور ہی بات تھی۔ یہی معاملہ یہاں بھی تھا۔ بظاہر تو رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا تھا کہ ابو بکر رقیق القلب ہیں۔ آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے۔ تو گریۂ وزاری کے سبب قراءت نہ کر سکیں گے یا سنا نہ سکیں گے۔ لیکن دل میں یہ بات تھی کہ اگر خدانخواستہ حضور اسی مرض میں رحلت فرما گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نحوست اور بد شگونی کا خیال لوگوں کے دل میں جاگزیں ہو جائے گا۔ چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کی اس گذارش میں دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ

عنہم بھی شریک تھیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب یوسف والیاں ہو، یعنی تمہارے بھی دل میں کچھ ہے اور زبان سے کچھ کہہ رہی ہو۔

(13 صحیح بخاری ۱/۹۹

(14طبقات ابن سعد ۲/۲۵۵، مسند ابی داود طیالسی ص ۲۴۶ حدیث نمبر ۱۷۷۹، مسند ابی یعلی ۴/۱۹۳ حدیث نمبر ۲۲۹۰

(15 صحیح بخاری ۱/۹۸، ۹۹ مع فتح الباری ۲/۱۹۵، ۲۳۸، ۲۳۹، حدیث نمبر ۶۸۳، ۷۱۲، ۷۱۳

(16طبقات ابن سعد ۲/۲۳۷ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام آپ ﷺ نے دوشنبہ کی رات یا دوشنبہ کے دن، یعنی حیات طیبہ کے آخری دن فرمایا تھا۔

(17طبقات ابن سعد ۲/۲۳۹

(18دیکھئے: صحیح بخاری حدیث نمبر ۲۰۶۸، ۲۰۹۶، ۲۲۰۰، ۲۲۵۱، ۲۳۸۶، ۲۲۵۲، ۲۵۱۳، ۲۵۰۹، ۲۹۱۶، ۴۱۶۷، مغازی کے آواخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور آپ کی زرہ رہن رکھی ہوئی تھی۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ کو اتنا نہ مل سکا کہ اس زرہ کو چھڑا سکیں۔

(19ایضاً باب مرض النبی ﷺ ۲/۲۴۰ مع فتح الباری ۲/۱۹۳ حدیث نمبر ۶۸۰، ۷۵۴، ۶۸۱، ۴۴۴۸، ۱۲۰۵

(20بخاری ۲/۶۳۸

(21بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو اور بشارت دینے کا یہ واقعہ حیات مبارکہ کے آخری دن نہیں بلکہ آخری ہفتے میں پیش آیا تھا۔ دیکھئے: رحمۃ للعالمین ۱/۲۸۲

(22 صحیح بخاری ۲/۶۴۱

(23 صحیح بخاری ۲/۶۳۷

(24 صحیح بخاری مع فتح الباری ۱/۶۳۴ حدیث نمبر ۴۳۵، ۱۳۳۰، ۱۳۹۰، ۳۴۵۳، ۴۴۴۱، ۳۴۵۴، ۴۴۴۳، ۴۴۴۴، ۵۸۱۵، ۵۸۱۶، طبقات ابن سعد ۲/۲۵۴

(25 صحیح بخاری ۲/۶۳۷

(26 صحیح بخاری ۲/۶۴۰

(27 ایضاً صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ وباب آخر ما تکلم النبی ﷺ ۲/۶۳۸ تا ۶۴۱

(28 دارمی، مشکوٰۃ ۲/۵۴۷۔ انہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ بھی روایت ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے ہر چیز روشن ہو گئی۔ اور جس دن آپ ﷺ نے وفات پائی ہر چیز تاریک ہو گئی۔ اور ابھی ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے، بلکہ آپ ﷺ کے دفن ہی میں مشغول تھے کہ اپنے دلوں کو بدلا ہوا محسوس کیا۔ (جامع ترمذی ۵/۵۸۸، ۵۸۹(

(29 صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ ۲/۶۴۱

(30 ابن ہشام ۲/۶۵۵

(31 صحیح بخاری ۲/۶۴۰، ۶۴۱

(32 دیکھئے: ابن ماجہ ۱/۵۲۱

(33 تفصیل طبقات ابن سعد ۲/۲۸۱، ۲۷۷ میں ملاحظہ ہو۔

(34 صحیح بخاری ۱/۱۶۹ جنائز باب الثیاب البیض للکفن ، فتح الباری ۳/۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۲ حدیث نمبر ۱۲۶۴، ۱۲۷۳، ۱۲۷۲، ۱۲۷۱، ۱۲۷۳، ۱۳۸۷، صحیح مسلم: جنائز ، باب کفن المیت ۱/۳۰۶ حدیث نمبر ۴۵

35) دیکھئے: مؤطا امام مالک، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی دفن المیت ۱/۲۳۱ طبقات ابن سعد ۲/۲۸۸-36292) مسند احمد ۶/۶۲، ۲۷۴۔ واقعہ وفات کی تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ اور اس کے بعد کے چند ابواب مع فتح الباری، نیز صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، باب وفاۃ النبی ﷺ، ابن ہشام ۲/۶۴۹ تا ۶۶۵۔ تلقیح فہوم اہل الاثر ص ۳۸، ۳۹۔ رحمۃ للعالمین ۱/۲۷۷ تا ۲۸۶۔ اوقات کی تعیین بالعموم رحمۃ للعالمین سے لی گئی ہے۔

(9) شادی بیاہ کے مسنون اور غیر مسنون طریقے

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

ولیمے کا مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے:

شادی کی تقریبات میں ولیمہ ایک ایسا عمل ہے جو مسنون ہے، یعنی نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور آپ نے خود بھی اپنی شادیوں کا ولیمہ کیا ہے اس کا سب سے بڑا مقصد اللہ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اللہ نے زندگی کے ایک نہایت اہم اور نئے موڑ پر مدد فرمائی اور اسے ایک ایسا رفیق حیات اور رفیق سفر عطا فرما دیا جو اس کے لیے تفریح طبع اور تسکینِ خاطر کا باعث بھی ہوگا اور زندگی کے نشیب و فراز میں اس کا ہم دم، ہمدرد اور مددگار بھی۔

اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ اسلام میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اِطعامِ طعام (کھلانے پلانے) کا اہتمام کیا جائے۔ اولاد اللہ کی نعمت ہے اس کے ملنے پر حکم ہے کہ جانور قربان کرو اور خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اولاد میں لڑکے کی ولادت پر زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے، اس لیے اس کی ولادت پر دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم ہے یعنی بقدر مسرت اطعامِ طعام۔ لڑکی بھی اللہ کی نعمت ہے اس کی ولادت پر زمانۂ جاہلیت کی طرح غم واندوہ کا اظہار نہیں کرنا بلکہ اظہار مسرت ہی کرنا ہے گو لڑکے کے مقابلے میں کم ہی سہی اس لیے ایک جانور قربان کر دو۔

نکاح بھی نوجوان جوڑے کے لیے بلکہ دونوں خاندانوں کے لیے بھی خوشی کا ایک موقع ہے، اللہ نے دونوں خاندانوں کو ایک نہایت اہم فیصلے کی ادائیگی سے نواز دیا اور نوجوان جوڑے کے لیے بھی خوشی کا موقع ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا جیون ساتھی میسر آگیا جو ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہوگا اور شاہراہ زندگی میں ایک دوسرے کا

ہمسفر بھی لیکن اسلام زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کا قائل ہے اور حد سے تجاوز کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے اس کے نزدیک اظہارِ مسرت میں بھی اعتداء(حد سے تجاوز)اور اسراف (فضول خرچی)ناپسندیدہ ہے۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ

الاسراء-27

''یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''

علاوہ ازیں تفاخر اور شان وشوکت کا بےجا اظہار بھی اسلام کی نظر میں مذموم ہے۔ اس اعتبار سے ولیمہ جب سنت ہے، دنیاوی رسم نہیں تو اسے کرنا بھی اسی طرح چاہیے جس میں اسلامی ہدایات سے انحراف نہ ہو جب کہ ہمارے ہاں اس کے برعکس ولیمہ بھی اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ بھی شادی بیاہ کی دیگر رسموں کی طرح بہت سی خرابیوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے مثلاً:

(1)ولیمے میں بارات سے بھی زیادہ ہجوم اکٹھا کیا جاتا ہے۔

(2)حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ انواع واقسام کے کھانوں کا اہتمام کرلیا جاتا ہے۔

(3)اپنی امارت اور شان وشوکت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

(4)غرباء کی شرکت کو ناپسندیدہ اور اپنے مقام ومرتبہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

(5)جس کے پاس وسائل نہ ہوں یا بہت کم ہوں وہ بھی قرض لے کر اپنی استطاعت سے بڑھ کر ولیمہ کرتا ہے۔

(6)ولیمے میں بھی بےپردگی کا طوفان آیا ہوتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ مووی فلم کے ذریعے سے مردوں کے علاوہ تمام خواتین کی حرکات کو بھی محفوظ کیا جاتا ہے اور دونوں خاندانوں میں اس کو ذوق وشوق سے دیکھا جاتا ہے۔

ولیمے کے بارے میں اسلامی ہدایات:

حالانکہ اسلامی ہدایات کی رو سے مذکورہ سب باتیں غلط ہیں اس لیے دعوتِ ولیمہ میں بھی اصلاح کی اور اپنے رویوں میں تبدیلی کی شدید ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ہمیں اس کی بابت جو ہدایات ملتی ہیں ان سے حسب ذیل چیزوں کا اثبات ہوتا ہے۔

(1) اسراف اور فضول خرچی سے بچا جائے، سادہ اور مختصر ولیمہ ہو، سارے خاندان اور دوست احباب کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں ہے۔ عہد نبوی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے بیٹوں، بیٹیوں کی شادیاں کرتے تھے لیکن دعوتِ ولیمہ وغیرہ میں کسی بڑے اجتماع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا حتی کہ صحابہ کرام جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قربت کا تعلق رکھتے تھے خود اپنی شادی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو مدعو نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسے سیدنا عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لباس پر زردی دیکھی تو ان سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے کھجور کی ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر ایک خاتون سے شادی کر لی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

' 'ولیمہ کرو (اگر زیادہ استطاعت نہ ہو تو) ایک بکری ہی کا کر دو۔] "2[

خیبر سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اپنے حبالہ عقد میں لے لیا تو راستے ہی میں مدینہ پہنچنے سے قبل ہی آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خلوت فرمائی اور صبح کو آپ نے ولیمہ کیا جس میں کھجور، پنیر اور گھی کا ملیدہ بنا کر صحابہ کی تواضع کی گئی، نہ گوشت تھا اور نہ روٹی یہ چونکہ سفر کا واقعہ ہے، مجاہد صحابہ کی ایک

جماعت آپ کے ساتھ تھی جو خیبر میں آباد یہودیوں سے جہاد کرنے کے لیے آپ کے ساتھ گئی تھی تو آپ نے اس میں ان سب کو شریک فرمایا۔]3[

یہ ولیمہ بھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے تعاون سے کیا تھا چونکہ آپ سمیت سب سفر میں تھے آپ ﷺ خیبر فتح کر کے مدینہ واپس آرہے تھے، راستے میں آپ نے یہ نکاح فرمایا تھا اور شب باشی کے بعد آپ ﷺ نے صبح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا:

مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ

' 'جس کے پاس جو چیز بھی ہے وہ لے آئے"۔

آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا کوئی کھجور لے آیا، کوئی گھی (اور کوئی پنیر) لے آیا اور بعض سَتُّو، ان سب کو ملا کر ملیدہ بنالیا گیا یہی رسول اللہ ﷺ کے ولیمے کا کھانا تھا۔]4[

رسول اللہ ﷺ کا سب سے گراں ولیمہ وہ تھا جو آپ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد کیا تھا، اس میں آپ نے گوشت روٹی کا اہتمام فرمایا تھا۔[5]ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ولیمے میں نہ زیادہ ہجوم جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ پر تکلف انواع واقسام کے کھانوں اور ڈشوں کی۔

تھوڑے سے افراد کو بلایا جائے اور گھر ہی میں ان کی خاطر تواضع کر دی جائے اس طرح شادی ہال وغیرہ بک کروانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔

اپنی امارت اور شان وشوکت کے اظہار کی بھی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے دنیاوی وسائل سے نوازا ہے تو اسے ان ضرورتوں پر خرچ کیا جائے جن کی معاشرے میں ضرورت ہے، اللہ کے دین کی نشر واشاعت اور اللہ کے دین کے داعیوں اور محافظوں پر خرچ کیا جائے، جہاد اور مجاہدین پر خرچ کیا جائے، وعلی ہذا القیاس۔

ولیمے وغیرہ کی دعوتوں میں اسراف وتبذیر کا مظاہرہ کرکے کم وسائل والے افراد کے اندر احساس محرومی پیدا نہ کیا جائے۔

(2)رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی پر راستے میں جو ولیمہ کیا تھا، وہ مسلمانوں کے باہمی تعاون سے ہوا تھا، جیسا کہ اس کی تفصیل گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں اصحاب ثروت لوگوں کو بے وسیلہ لوگوں کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر تعاون کرنا چاہیے، ان کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا عند اللہ ناپسندیدہ روش ہے۔

(3)ولیمہ گوشت کے بغیر دوسری چیزوں سے بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا ولیمے میں ہوا۔

(4)ولیمے میں محض رشتے داریوں اور دوستانہ تعلقات کی بنیاد ہی پر نہ بلایا جائے بلکہ نیک لوگوں کو بھی شریک کیا جائے، اسی طرح غرباء ومساکین کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، جس ولیمے میں محض اغنیاء ہی شریک ہوں، اسے نبی نے "شر الطعام" (بدترین کھانا) قرار دیا ہے، صحیح بخاری میں موقوفاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہا کرتے تھے۔

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الوَلِيمَةِ، يُدْعَى لَهَا الأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الفُقَرَاء

' 'بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔]"6[

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ قول مرفوع کے حکم میں ہے (فتح الباری) اس کی تائید صحیح مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

''بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں ان (غرباء) کو تو روک دیا جائے جو اس میں آتے ہیں اور ان کو بلایا جاتا ہے جو اس میں آنے سے انکار کرتے ہیں اور جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔'' [7]

ایک اور حدیث ہے جس میں نیکوں ہی کو کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے فرمایا:

لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ

'' دوست اور ساتھی مومن ہی کو بناؤ اور تمہارا کھانا بھی سوائے متقی کے اور کوئی نہ کھائے۔'' [8]

(5) اوپر حدیث گزری ہے کہ جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنا، چاہے وہ ولیمے کی ہو یا عام دعوت، ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے تو اس کو بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ نفلی روزہ توڑ لے اور دعوت میں شریک ہو جائے، بالخصوص جب دعوت کرنے والا اصرار کرے اگر اصرار نہ کرے تو روزے دار کی مرضی ہے کہ روزہ توڑے یا نہ توڑے، روزہ نہ توڑے تو دعوت کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کر دے۔ [9]

(6) اگر نفلی روزہ توڑ کر دعوت کھائی جائے تو اس نفلی روزے کی قضا ضروری نہیں۔ نبی ﷺ ایک دعوت میں تشریف فرما تھے، صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، جب کھانا شروع ہوا تو ایک شخص الگ ہو کر ایک طرف

بیٹھ گیا، نبی ﷺ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ نفلی روزے سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

أَفْطِرْ وَصُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ إِنْ شِئْتَ

" تم دعوت کھالو، اگر چاہو تو بعد میں اس کی جگہ روزہ رکھ لینا۔] "10[

حافظ ابن حجر اور شیخ البانی رحمہما اللہ نے اس کو حسن کہا ہے۔] 11[

معصیت والی دعوت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں

دعوت قبول کرنے کی اتنی تاکید کے باوجود شرعی دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس دعوت میں یا دعوت والے گھر میں اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہو یا وہاں معصیت والی چیز ہو تو اس دعوت میں اس شخص کا شریک ہونا تو جائز ہے جو اصحابِ دعوت کے ہاں اتنے اثر ورسوخ کا حامل ہو کہ وہ معصیت کاری رکوا سکتا ہو ، تو اس کو شریک ہو کر اس کو رکوانے کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے اور جو شخص ایسی پوزیشن کا حامل نہ ہو اگر اس کے علم میں پہلے سے یہ بات ہو کہ وہاں فلاں فلاں معصیت کا ارتکاب ضرور ہوگا جیسے آج کل میوزک، ویڈیو، بے پردگی جیسی معصیتیں عام ہو گئی ہیں تو اس کا اس دعوت میں جانے کے بجائے اس کا بائیکاٹ کرنا ضروری ہے اور اگر پہلے اس کے علم میں نہیں تھا، وہاں جا کر دیکھا کہ وہاں ان شیطانی کاموں کا اہتمام ہے تو اس میں شرکت نہ کرے اور واپس آجائے۔ اگر ان معصیت کاریوں کے باوجود وہ شریک ہوگا تو وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ بالخصوص اصحابِ علم وفضل کی اس قسم کے اجتماعات میں شرکت بہت بڑا جرم ہے ان کی شرکت ان معصیت کاریوں کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو تصویر والا پردہ دیکھ کر بھی دعوت کھائے بغیر واپس آجاتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے ایک روز کھانا تیار کیا اور رسول

اللہ ﷺ کو دعوت دی، آپ تشریف لائے تو گھر میں تصاویر دیکھ کر واپس چلے گئے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کس چیز نے واپس ہونے پر مجبور کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "گھر میں ایک تصویروں والا پردہ ہے اور جس گھر میں تصویریں ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔] "12[

رسول اللہ ﷺ نے تو ایک مرتبہ خود اپنے گھر یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دروازے پر ایک تصویر والا پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو آپ نے اندر داخل ہونا پسند نہیں فرمایا، جس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی۔]13[

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل بھی یہی تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں جب شام تشریف لے گئے تو شام کے ایک نہایت معزز عیسائی نے آپ کی اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے ان کی دعوت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ أَجْلِ الصُّوَرِ الَّتِي فِيهَا

ترجمہ: "تمہارے گرجوں میں تصویریں ہوتی ہیں اس لیے ہم وہاں نہیں آسکتے۔] "14[

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کی ایک شخص نے دعوت کی، انہوں نے اس سے پوچھا: گھر میں کوئی تصویر ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے تصویر کو توڑنے تک گھر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا جب تصویر کو توڑ دیا گیا تو پھر آپ داخل ہوئے۔]15[

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا ندخل وليمة فيها طبل ولا معزاف

’’ ’’ہم اس ولیمے میں شریک نہیں ہوتے جس میں ڈھول تماشے یا گانے بجانے کے کوئی اور آلات ہوں۔]‘‘16[

دعوت کھلانے والے کے لیے دعا

نبی ﷺ نے متعدد مواقع پر صحابۂ کرام کے ہاں کچھ کھایا پیا تو آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی ، اس سلسلے میں آپ سے تین دعائیں منقول ہیں ، جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں صاحب خانہ کے لیے فرمائیں۔

اللهُمَّ، بَارِكْ لَهُمْ فِي مَا رَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ

’’ اے اللہ! ان کو جو کچھ تو نے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما، ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔] ‘‘17[

اللهُمَّ، أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي، وَأَسْقِ مَنْ سَقَانِي

’’ ’’اے اللہ! جنہوں نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔]‘‘18[

أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ

’’ روزے دار تمہارے پاس روزے کھولتے رہیں، نیک لوگ تمہارا کھانا کھاتے رہیں اور فرشتے تمہارے لیے دعائے خیر کرتے رہیں۔]‘‘19[

دولہا کے لیے خصوصی دعا

دولہا کے لیے خاص طور پر ان الفاظ میں دعا دی جائے۔

بَارَكَ اللهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ

’’ ’’اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور تم پر اپنی برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر کے ساتھ اکٹھا رکھے۔‘‘

ولیمہ کب کیا جائے؟

سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہما دونوں کے ساتھ نکاح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے خلوت فرمائی تو احادیث میں صراحت ہے کہ اس کے بعد دوسرے دن آپ نے ولیمہ کی دعوت کی۔ اس سے اسی بات کا اثبات ہوتا ہے کہ ولیمہ نکاح سے پہلے نہیں بلکہ نکاح کے بعد ہونا چاہیے۔ البتہ شب باشی کے بعد دوسرے روز ہی ضروری نہیں بلکہ دو تین دن کے وقفے کے بعد بھی جائز ہے۔

علاوہ ازیں ولیمے سے قبل خلوت صحیحہ بھی ضروری ہے یا نہیں یا اس کے بغیر بھی ولیمہ جائز ہے؟ بعض لوگ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم بستری سے پہلے ولیمہ جائز نہیں ہے، لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ بعض دفعہ پہلی رات کو جب خلوت میں میاں بیوی کی ملاقات ہوتی ہے تو عورت کو حیض کے ایام ہوتے ہیں، اس لیے ایسی حالت میں بوس وکنار سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا نیز کسی اور وجہ سے بھی بعض دفعہ ہم بستری نہیں ہو پاتی۔ اس لیے ولیمے کی صحت کے لیے ہم بستری کو لازم خیال کرنا صحیح نہیں ہے، مخصوص قسم کے حالات میں اس کے بغیر بھی ولیمہ صحیح ہوگا۔ واللہ اعلم

شادی کی چند ناجائز رسومات

انگریزی زبان میں شادی کارڈ

شادی بیاہ کی رسومات یا از خود پیدا کردہ ضروریات میں سے ایک رسم یا ایک ضرورت "شادی کارڈ" بھی ہے جس کے ذریعے سے اہل خاندان اور دوست احباب کو شادی (اور مہندی وغیرہ) میں مدعو کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ ضرورت ایک پوسٹ کارڈ یا زبانی دعوت سے پوری ہو جاتی تھی اب یہ شادی کارڈ بھی شادی کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔

اس کی وجہ بھی شادیوں میں زیادہ سے زیادہ ہجوم جمع کرنے ہی کا جذبہ ہے اگر نکاح کی تقریب اور ولیمے کی دعوت مختصر ہو، خاندان کے چند ضروری افراد اور صرف بعض احباب ہی ان میں شریک ہوں تو ظاہر بات ہے کہ پھر خصوصی دعوت ناموں اور شادی کارڈوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے لیکن چونکہ یہ سادگی اور اختصار اب کسی کو پسند نہیں ہے، اس لیے شادی کارڈ چھپوائے بغیر بھی چارہ نہیں۔ اس لیے اصل ضرورت شادی بیاہ کی تقریبات کا حجم (سائز) مختصر کرنے کی ہے، اگر لوگ اس کو اختیار کرلیں تو بہت سی قباحتوں کے ساتھ شادی کارڈ سے بھی بچنا ممکن ہے بصورت دیگر کم از کم اس میں فضول خرچی سے تو ضرور اجتناب کیا جائے یعنی شادی کارڈ مختصر اور سادہ چھپوائے جائیں ، انہیں زیادہ سے زیادہ خوبصورت اور دیدہ زیب بنانے کے لیے گراں سے گراں تر نہ کیا جائے اس طرح کے گراں قیمت شادی کارڈ سراسر اسراف اور فضول خرچی ہے جس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔

ایک اور بے ہودگی شادی کارڈ میں یہ چل پڑی ہے کہ اپنی قومی زبان اردو کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن انگریزوں کی زبان میں چھپوائے جانے لگے ہیں، یہ بھی ایک چلتا ہوا فیشن اور مقبول عام رجحان ہے حالانکہ مسلمانوں کو تو یہودیوں اور عیسائیوں سے بغض وعداوت رکھنے کا حکم ہے نہ کہ دوستی اور محبت رکھنے کا اور اپنی گھریلو قسم کی معاشرتی تقریبات میں مدعو کرنے کے لیے بھی ہم دعوت نامے انگریزی زبان میں چھپوائیں تو یہ اپنے دشمنوں سے ، جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے، محبت کا اظہار ہے یا نفرت کا؟ کیا اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہایت دیدہ دلیری سے پامال نہیں کر رہے ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ انگریزی زبان بین الاقوامی اور سائنس و ٹیکنالوجی کی زبان ہے، اس لیے اسے سیکھے بغیر چارہ نہیں، ٹھیک ہے اس وقت بدقسمتی اور ہم مسلمانوں کی کمزوری کی

وجہ سے اس کی یہ اہمیت مسلم اور اس کا سیکھنا جائز بلکہ حکومتی پالیسی کی وجہ سے کسب معاش کے لیے اس کا سیکھنا ضروری ہے لیکن حکومتوں کی مسلط کردہ پالیسی یا دیگر دنیوی ضروریات کے لیے انگریزی زبان کا سیکھنا اور چیز ہے اور اس سے محبت رکھنا اور چیز ہے۔ پہلی بات یقیناً جائز ہے، "الضرورات تبیح المحظورات" (ضرورتیں ناجائز کاموں کو بھی جائز کر دیتی ہیں) فقہی اصول ہے۔ اس لیے کوئی عالم انگریزی زبان کے پڑھنے، سیکھنے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کو ناجائز نہیں کہتا لیکن دوسری بات یعنی اس سے محبت رکھنا، اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالینا اور اپنی قومی زبان پر اسے ترجیح دینا اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ قومی غیرت کے بھی خلاف ہے اور شرعی لحاظ سے بھی حرام اور ناجائز۔

انگریزی میں دعوت نامہ چھپوانا، کسی بھی پاکستانی کی بین الاقوامی ضرورت نہیں ہے، جو پاکستانی ایسا کرتا ہے، وہ قومی بے غیرتی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے محبت کا والہانہ اظہار بھی۔ اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ یوں وہ قومی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے اور حکم الٰہی کی پامالی کا ارتکاب بھی۔ اعاذنا اللہ منہ

یہ مسئلہ شرعی لحاظ سے۔ "عقیدہ الولاء والبراء" کے تحت۔ جتنا اہم ہے، افسوس ہے کہ علماء کے طبقے میں بھی اس کا احساس نہیں ہے، اس لیے وہ بھی انگریزی کارڈوں پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کرتے۔ فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون

رات کو شادیوں کا انعقاد

ایک اور نہایت قبیح رواج، جو دیگر رسومات کی طرح بہت عام ہو گیا ہے، شادی کی تقریب رات کو کرنا ہے اس میں بھی غالباً یہ شیطانی فلسفہ کار فرما معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں بجلی کے قمقمے اور چراغاں جو بہار

دیتا ہے، وہ دن کی روشنی میں ممکن نہیں۔ اسی طرح آتش بازی کا سماں بھی رات کی تاریکی ہی میں بندھتا ہے اور آتشیں پٹاخوں کے نہایت خوف ناک دھماکے بھی رات ہی کو اہل محلہ کی نیندوں کو خراب کرتے ہیں۔ دن کے شوروشغب میں یہ دھماکے کسی کے آرام وراحت میں زیادہ خلل انداز نہیں ہوتے اور ہم اخلاقی پستی کی جس اتھاہ گہرائی میں جا چکے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ جب تک ہم اہل محلہ کے آرام وسکون کو برباد نہ کر لیں ، ہماری خوشی کی تقریب مکمل نہیں ہو سکتی یعنی ہمیں دوسروں کے سکون وآرام کو برباد کرنے میں راحت محسوس ہوتی ہے، ورنہ جس قوم کی اخلاقی حس زندہ اور بیدار ہو وہ کبھی اتنی اخلاقی پستی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی جس طرح ہماری قوم کرتی ہے۔ رات کے دو بجے بارات واپس آتی ہے تو آتشیں پٹاخوں کے دھماکے سے سارے محلے کے لوگوں کی نیندیں خراب کر دی جاتی ہیں۔

سالہا سال سے اخلاقی پستی کے یہ مظاہر ہم دیکھتے آرہے ہیں، البتہ اب ایک دو سالوں سے (۲۰۱۱۔۲۰۱۲) حکومت پنجاب نے شادی ہالوں کے لیے رات کے ۱۰ بجے تک بند کرنے کی پابندی عائد کر رکھی ہے جس کے نتیجے میں اصلاح کے کچھ آثار نظر آرہے ہیں اور باراتوں اور ولیموں سے لوگ ۱۱ بجے تک فارغ ہو جاتے ہیں ورنہ اس سے پہلے جو صورت حال تھی وہ ہمارے اخلاقی زوال کی نوحہ کناں تھی۔

علاوہ ازیں رات کی ان تقریبات میں وقت کا جو ضیاع ہوتا تھا وہ بھی ہماری اس قوم کی بے فکری، بے شعوری اور اخلاقیات سے عاری ہونے کی غمازی کرتا تھا۔ کارڈوں پر ۸ یا ۹ بجے کا وقت لکھا ہوتا تھا لیکن نکاح یا ولیمے کی تقریب کا آغاز رات کے ۱۲ بجے یا ایک بجے سے پہلے نہ ہوتا۔ ذرا سوچیے! یہ رواج یا عادت یا رسم اچھی ہے یا بری؟ اس میں اخلاقی ذمے داری کا احساس پایا جاتا ہے یا اس سے خوف ناک بے اعتنائی؟ ذرا تصور کیجیے! ان لوگوں کی کوفت، تکلیف اور ضیاع وقت کا جو دعوت نامے کے مطابق وقت

پر تشریف لے آتے ہیں لیکن انہیں ان لوگوں کے انتظار میں جو تین یا چار گھنٹے تاخیر سے آتے ہیں، ۳یا۴ گھنٹے انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا جاتا ہے۔

حالانکہ سوچنے کی بات ہے کہ وقت پر آنے والے سزا کے مستحق ہیں یا غیر معمولی تاخیر سے آنے والے؟ لیکن ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی رہی ہے۔ کئی کئی گھنٹے تاخیر سے آنے والوں کی سزا، وقت کا ضیاع اور "الانتظار اشد من الموت" کے کرب وقلق کی صورت میں، وقت پر آنے والوں کو بھگتنی پڑتی، ان سب پر مستزاد یہ کہ رات کو اتنی تاخیر سے سونے کے بعد فجر کی نماز کے لیے اٹھنا بھی ناممکن سا ہے، گویا نماز فجر بھی جاتی۔ اسی طرح اتنی تاخیر سے واپسی پر ان لوگوں کو جو پریشانی ہوتی ہے جن کے پاس اپنی سواری وغیرہ نہیں ہوتی۔ نیز رات کی تاریکی میں ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہتھے چڑھ جانے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

بہر حال جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے راتوں کی ان تقریبات کا انعقاد غیر صحیح ہے، کم از کم دین دار حضرات کو اس قبیح رواج و رسم سے سختی سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی بابت آتا ہے کہ آپ کو رات کو عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد باتیں کرتے رہنا ناپسند تھا۔] 20[

اس حدیث کی روشنی میں بھی اگر دوسری باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو راتوں کو شادی کی تقریبات کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ رات سے مراد عشاء کے بعد ہے، ورنہ عشاء سے پہلے اس کا جواز ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

رات کے وقت شادی کا صحیح طریقہ

چراغاں اور آتش بازی وغیرہ رسومات سے بچتے ہوئے، اگر نکاح، خاطر تواضع اور رخصتی کی ساری کارروائی، وقت کی پابندی کرتے ہوئے، مغرب کے فوراً بعد سے لے کر عشاء کے وقت تک کر لی جائے تو پھر چوں کہ مذکورہ قباحتیں پیدا نہیں ہوں گی

اس لیے رات کے پہلے پہر میں ان تقریبات کے جواز میں شک کی گنجائش نہیں۔

لیکن ایسا اسی وقت ہوسکتا ہے جب دونوں خاندانوں کے دلوں میں ایک تو نبی اکرم ﷺ کے طرز عمل کی اہمیت ہو، اتباع سنت کا سچا جذبہ ہو۔ دوسرے وقت کی قدروقیمت کا احساس اور مقررہ وقت کے اندر ساری کارروائی کرنے کا عزم راسخ ہو۔ مہمانوں کے وقت پر نہ آنے کی پروانہ کی جائے بلکہ جو لوگ وقت پر آجائیں چاہے وہ بالکل تھوڑے ہی ہوں، ان کی موجودگی میں نکاح یا ولیمے کا آغاز کر دیا جائے اور تاخیر سے آنے والوں کی مہمان نوازی سے معذرت کرلی جائے۔

جب تک لومۃ لائم کے خوف کے بغیر اس جرأت وہمت کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا، وقت کے ضیاع کو روکنا بھی ممکن نہیں ہے اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی بھی نہایت مشکل ہے۔

حکومت پنجاب کا ایک اصلاحی اقدام مگر؟

اب اگرچہ کچھ عرصے سے پنجاب حکومت کی طرف سے شادی ہالوں کے لیے رات کے دس بجے تک کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے جس پر بہت حد تک عمل ہو رہا ہے اس سے بہت سی قباحتوں کا تدارک اور وقت کا ضیاع بھی کم ہوا ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک تو اس کو پورے ملک میں نافذ کیا جائے اس وقت یہ پابندی صرف پنجاب میں ہے۔ دوسرے اس قانون کو قانون سازی کے ذریعے سے مستقل کیا جائے فی الحال یہ پابندی عارضی ہے، اس میں مہینہ وار توسیع کی جارہی ہے کیونکہ ہماری قوم میں بگاڑ جس طرح عام ہو گیا ہے اور خدا خوفی کا فقدان اور دین سے بے اعتنائی فزوں تر ہے اس سے یہ شدید خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کا یہ مفید اقدام پتہ نہیں کب ختم

ہو جائے اور قوم پھر اسی بے اعتدالی کا شکار ہو جائے جس میں وہ نہ صرف یہ کہ سالہا سال سے مبتلا چلی آ رہی ہے بلکہ وہ اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے جیسے اس سے قبل ۲۰۰۰ء میں نواز شریف کے جاری کردہ شادی آرڈیننس کا کچھ عرصے بعد حشر ہوا کہ وہ نہایت مفید ہوتے ہوئے عوام و خواص نے اسے اپنانے سے گریز کیا، غریبوں نے اگرچہ اس پر سکھ کا سانس لیا تھا اور اسے سراہا تھا، لیکن قومی مزاج کے عمومی بگاڑ بالخصوص دین سے دور نو دولتیوں کے طرز عمل کی وجہ سے، وہ تنقید کا نشانہ بنا رہا بالآخر اسے ختم کرنا پڑا۔

نواز شریف کا جاری کردہ وہ مذکورہ آرڈیننس کیا تھا؟ اس کی تاریخی حیثیت کے پیش نظر ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں کیونکہ شرعی اعتبار سے اس کا جواز تھا اس امید پر کہ شاید دوبارہ اللہ تعالیٰ کسی حکمران کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق عطا فرما دے اور ون ڈش (قانون) کے بجائے اس کو نافذ کر دے، کیونکہ ون ڈش کا قانون بھی اگرچہ اسراف (فضول خرچی) سے بچانے ہی کے لیے نافذ کیا گیا ہے لیکن عملاً اس سے اسراف کی کوئی خاص حوصلہ شکنی نہیں ہوئی ہے۔ اصحاب حیثیت اس پر خوش دلی سے عمل نہیں کرتے اور ون ڈش کے قانون کے ہوتے ہوئے بھی بہت سی ڈشوں کا اہتمام عام ہے۔ اس لیے اصل ضرورت اسی آرڈیننس کے نفاذ کی ہے جس کے نفاذ سے واقعی اسراف کا سدباب ہوا تھا اور کم وسائل کے حامل افراد نے اطمینان و سکون محسوس کیا تھا۔

مذکورہ آرڈیننس کی دفعات کا خلاصہ

دفعہ:۴) ا(

کسی شخص کو اپنی یا کسی اور کی شادی کی تقریب میں، جو ہوٹلوں، ریسٹورنٹوں، شادی ہال یا کمیونٹی سنٹر میں منعقد ہو رہی ہو، شرکت کرنے والوں کے لیے صرف مشروبات کے علاوہ کھانا پیش کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔

دفعہ:۵

وہ شخص جو ہوٹل، ریسٹورنٹ، شادی ہال، کمیونٹی سنٹر کا مالک یا مینیجر ہو، انہیں شادی کی تقریب میں شرکت کرنے والوں کے لیے کھانا، طعام وغیرہ پیش کرنے کی اجازت نہ ہو گی مہمانوں کی تواضع مشروبات سے کی جائے گی۔

دفعہ:٦

جو شخص ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ قابل سزا مجرم ہو گا انہیں ایک ماہ کی قید محض یا جرمانے کی سزا دی جائے گی جو کہ ایک لاکھ سے کم اور پانچ لاکھ سے زیادہ نہ ہو گا اس آرڈیننس کے تحت یہ جرائم قابل دست اندازی پولیس نہیں ہوں گے۔

ضروری وضاحت

اس آرڈیننس کو سپریم کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا تھا۔ شرعی عدالت نے اپنے طریقۂ کار کے مطابق علمائے کرام اور اپنے فقہی مشیران سے اس کی بابت رائے طلب کی، لیکن قبل اس کے کہ شرعی عدالت علماء کی آراء کی روشنی میں اس پر بحث کرتی اور شرعی فیصلہ کرتی سپریم کورٹ نے اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا اور یہ کالعدم ہو گیا۔ راقم نے اس آرڈی ننس کی حمایت میں شرعی عدالت میں پیش کرنے کے لیے ایک بیان مرتب کیا تھا، عدالتی فیصلے کی وجہ سے اسے پیش کرنے کا موقع ہی نہیں آیا۔

نکاح کی الگ مستقل تقریب، اگر ناگزیر ہو تو....

ایک اور سلسلہ عام ہوتا جارہا ہے کہ کسی وجہ سے اگر لڑکے یا لڑکی والے کچھ عرصہ کے لیے رخصتی لینا یا کرنا پسند نہیں کرتے تو رشتہ مضبوط کرنے یا باہر لے جانے کے لیے کاغذات کی تیاری کی غرض سے، بھاری بھرکم بارات سے پہلے، ایک مختصر تقریب میں صرف نکاح کی کارروائی پوری کرلی جاتی ہے۔

مذکورہ وجوہ سے اگر واقعی ایسا کرنا ضروری ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے لیکن شرعاً اس کا جواز اسی صورت میں ہوگا جب اس میں فضول خرچی کا پہلو نہ ہو اور ایسا کب ہوگا؟ تب جب کہ اس تقریب میں گھر کے صرف چند ضروری افراد ہی لڑکی والوں کے گھر آئیں اور ایک کمرے میں بیٹھ کر نکاح کرلیا جائے اور بلا تکلف ماحضر تناول کرکے چلے جائیں، اس میں نہ ہجوم ہو کہ اس کے لیے لڑکے والے بھی ٹرانسپورٹ کا خصوصی انتظام کریں اور لڑکی والے بھی۔ بارات سے پہلے.... باراتیوں (لڑکے والوں) کے لیے پر تکلف کھانوں اور ہالوں کا انتظام کریں۔ یہ ایسا سادہ طریقہ ہے کہ دونوں خاندانوں پر کوئی خاص مالی بوجھ نہیں پڑتا اور دونوں فضول خرچی سے محفوظ رہتے ہیں جو کہ شرعاً پسندیدہ امر ہے۔

لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کے لیے بھی باقاعدہ ہال اور پر تکلف کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور دونوں خاندانوں کے افراد کافی معقول تعداد میں شریک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایک سادہ سی گھریلو تقریب بھی ایک پر ہجوم تقریب بن جاتی ہے۔ یہ طریقہ چونکہ غیر ضروری ہے اس لیے یہ شرعاً فضول خرچی کے دائرے میں آئے گا جن کے مرتکبین کو اللہ تعالیٰ نے شیاطین کا بھائی کہا ہے۔

بنابریں صرف نکاح کے لیے بارات سے پہلے نکاح کی الگ تقریب سے اجتناب کیا جائے اور اگر ناگزیر ہو تو گھر میں اس کا اہتمام ہو اور صرف گھر کے چند ضروری افراد کی موجودگی ہی کو کافی سمجھائے۔

سلامی یا نیوتہ

بارات کی روانگی سے قبل دولہا میاں تیار ہو کر گھر میں بیٹھ جاتے ہیں اور بارات میں شریک ہونے والے اہل خاندان دولہا کو سلامی دیتے ہیں، اسے نیوتہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نقد رقم ہوتی ہے جو سلامی کے نام پر دی جاتی ہے اور اسے باقاعدہ لکھ کر رکھا جاتا ہے۔ زیادہ ہجوم ہوتا ہے تو ایک شخص اس رقم کو دینے والے کے نام کے ساتھ لکھتا جاتا ہے۔ جو دوست احباب اس موقع پر نہیں ہوتے تو وہ ولیمے کی دعوت میں دولہا یا اس کے والد کو دے دیتے ہیں۔

یہ رواج بھی اتنا عام ہے کہ شریک ہونے والے خاندان کا ہر بڑا فرد اور احباب میں سے ہر شخص اس سلامی یا نیوتے کے بغیر شرکت میں سبکی محسوس کرتا ہے اور اسے خواہی نخواہی کچھ نہ کچھ ضرور دینا ہی پڑتا ہے، علاوہ ازیں نہ دینے پر گو زبان سے اظہار نہ ہو دل میں خفگی ضرور محسوس کی جاتی ہے۔

یہ ہدیہ، تحفہ یا تعاون نہیں ہوتا بلکہ اس کو قرض سمجھا جاتا ہے اور قرض بھی سودی۔ یعنی جتنی رقم دی جاتی ہے، دینے والے کے ہاں جب شادی کی تقریب ہوتی ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اب لینے والا میری دی ہوئی رقم مع اضافہ لوٹائے اور رواج بھی یہی ہے کہ واپسی کے وقت اضافہ کر کے ہی دی جاتی ہے۔

اس رسم کا جب کبھی آغاز ہوا ہوگا، اس وقت یقیناً جذبہ تعاون کے تحت ہی ہوا ہوگا، لیکن اب یہ تعاون کے بجائے متعدد قباحتوں کا باعث ہے۔ مثلاً

تعاون کی ضرورت ہے یا نہیں، اب صرف رسم کے طور پر اس کو کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ لکھ پتی اور کروڑ پتی خاندانوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے حالانکہ ان کو اس تعاون کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

واپسی پر زیادہ دینا اور اس کا واپس کرنا ضروری ہے، اس طرح یہ ایک قرض کی صورت بن جاتی ہے اور قرض پر زیادہ لینا ہی سود ہے۔ اس اعتبار سے یہ باہم تبادلہ سودی طریقہ ہے۔

دعوت قبول کرنے کا حکم ہے لیکن شادی (بارات یا ولیمہ) کی دعوت ایک خالص دعوت نہیں رہتی کیونکہ کچھ نہ کچھ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے جب کہ دعوت بے لوث ہوتی ہے اور اسے ہی قبول کرنے کی تاکید ہے، اس اعتبار سے یہ بارات یا ولیمے کی دعوت بھی، اسلامی دعوت نہیں ہے بلکہ یہ خود غرضی کا یا باری اتارنے یا وصول کرنے کا ایک سلسلہ ہے جو شادی بیاہ کی زیر بحث رسومات ہی کا ایک حصہ ہے۔

بنابریں ضروری ہے کہ دین کا صحیح شعور رکھنے والے سلامی یا نیوتے کی اس رسم کا بھی خاتمہ کریں، اس کا بھی کوئی شرعی جواز نہیں ہے البتہ کوئی رشتہ دار غریب ہے اور اسے تعاون کی ضرورت ہے تو اس کے ساتھ ضرور تعاون کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(1) آپ اگر صاحب حیثیت ہیں تو اس کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے تعاون کر دیں نیز سادگی کے ساتھ شادی کرنے کی تلقین کریں۔

قرض حسنہ کے طور پر حسب ضرورت تعاون کر دیا جائے۔

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

عورت رخصتی کے بعد اپنے والدین اور گھر کو چھوڑ کر ایک دوسرے گھر میں جاتی ہے، والدین کے ہاں تو اس کو بھرپور پیار اس لیے ملا کہ وہ والدین کے جگر کا ٹکڑا تھی، اولاد

نافرمان ہو تب بھی والدین سے پیار اور شفقت کے سوا کچھ نہیں ملتا پھر جس گھر اور ماحول میں وہ پروان چڑھی وہ اس کے لیے نہایت مانوس تھا۔

لیکن ایک نئے گھر میں خاوند کے علاوہ اس کو خاوند کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی ملتے ہیں، یہ ابتداءًا اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں اور ماحول بھی نامانوس۔ اب یہ عورت کی سمجھ بوجھ، لیاقت وذہانت اور اس کے رویے پر منحصر ہے کہ وہ خاوند کو کس طرح اپنا بناتی ہے؟ اس کے والدین کو اپنے ماں باپ کی طرح سمجھتے ہوئے ان سے اپنائیت کا اظہار کرتی ہے یا اس کے برعکس غیریت کا تاثر دیتی ہے؟ اس نئے ماحول کو خوشگوار بناتی ہے جہاں اب زندگی کے بقیہ ایام اس نے گزارنے ہیں یا اس کو ناگواری میں ڈھال کر اپنی زندگی بھی اجیرن بنا لیتی ہے اور دوسروں کی زندگیوں میں بھی زہر گھول دیتی ہے۔

اس میں چند عوامل نہایت مؤثر کردار ادا کرتے ہیں جو مستقبل کو سنوار بھی سکتے ہیں اور بگاڑ بھی سکتے ہیں۔

(1) والدین کی ذمے داری:

اس میں اوّلین ذمے داری عورت کے والدین کی ہے، وہ بچی کو اچھی تربیت دیں جس میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں۔

(1) دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام، احکام شرعیہ کی پابندی اور سادگی کی تلقین۔

(2) خانگی امور کی تربیت، اس میں کھانے پکانے کی مہارت، صفائی ستھرائی کی تاکید، بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو اخراجات میں کفایت شعاری اور سلیقہ پن شامل ہیں۔

(3)ساس سُر کے احترام کی تلقین،نندوں کے ساتھ پیار محبت اور شفقت کا سلوک،خاوند کی اطاعت وخدمت گزاری اور ہر حالت میں وفاداری کا مظاہرہ کرنے کی تاکید۔

(4)بیٹی کو سمجھائیں کہ سسرال میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے معاملات، معمولی تلخیاں یا کبھی کبھی تعلقات کی ناخوش گواریاں برداشت کی جائیں، صبر و تحمل اور دانش مندی سے ان کو سلجھایا جائے اور روز مرہ کے واقعات یا کبھی کبھی کی ناخوش گواریوں کا ذکر اپنے ماں باپ سے نہ کیا جائے۔ اس سے والدین کے دلوں میں سسرالیوں سے نفرت پیدا ہو گی جو دونوں خاندانوں کے تعلقات میں خرابی اور بگاڑ کا باعث ہو گی۔

ہاں اگر واقعی سسرال والوں کا رویہ نئی دلہن کے ساتھ اچھا نہیں ہے، یہاں پیار کے بجائے اسے نفرت کا سامنا ہے،عدل وانصاف کے بجائے ظلم وستم کی گرم بازاری ہے اور اس کو گھر میں وہ قرار واقعی مقام نہیں دیا جارہا ہے جس کا وہ استحقاق رکھتی ہے تو پھر اس انہونی صورت حال سے والدین کو ضرور مناسب انداز سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اس کا حل نکال سکیں تاہم عام حالات میں چھوٹی چھوٹی باتیں ماں باپ کو پہنچا کر ان کے سکون کو برباد کرنا نہ کوئی دانش مندی ہے اور نہ سسرال میں رہنے کا کوئی قرینہ وسلیقہ۔

(5)بعض مائیں پیشگی ہی اپنی بچی کو اس طرح کی پٹی پڑھا دیتی ہیں کہ دیکھنا وہاں کسی سے دب کر نہیں رہنا، اپنا رعب جمانے کی کوشش کرنا، کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرنا، وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کو نئے گھر میں حکمت ودانش، پیار محبت اور تواضع وانکساری کے ذریعے سے اپنا جو مقام بنانا ہوتا ہے، اس سنہری موقعے کو وہ ضائع کر دیتی ہے اور ماں یا سہیلیوں کے پڑھائے ہوئے سبق پر عمل کرتے ہوئے محاذ آرائی کی فضا یا

سرکشی کی سی صورت پیدا کر دیتی ہے اور یوں بنا بنایا کھیل سب بگڑ کر رہ جاتا ہے اور حسین خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو جاتا ہے۔

اس لیے ماؤں کو اس قسم کا سبق بچیوں کو ہرگز نہیں پڑھانا چاہیے بلکہ اس کے برعکس اس کو برائی کو اچھائی سے ٹالنے کی اور عارضی تکلیفوں کے مقابلے میں صبر وحکمت سے کام لینے کی، بڑوں کا ادب واحترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ہمیں انہی باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ

حم السجدۃ–34

’’نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دور کرو (ایسا کروگے تو) پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہو جائے گا جیسے وہ دلی دوست ہے۔‘‘

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا

اس کا ہم (مسلمانوں) سے تعلق نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت (رحم) نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب واحترام ملحوظ نہیں رکھتا۔]‘‘ 21[

(1) مرد کے لیے حکمت ودانش کی ضرورت

دوسرے نمبر پر خاوند کا کردار ہے جب نئی نویلی دلہن ایسے گھر میں آتی ہے جہاں شوہر کے والدین، اس کے بہن بھائی اور بھابھیاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں تو پھر مرد کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے مشترکہ خاندان میں عورتوں (ساس، نندوں وغیرہ) کے ساتھ ٹکراؤ کا خطرہ ہر وقت، سر پر لٹکی تلوار کی طرح رہتا ہے، کسی وقت ساس بہو کے درمیان تکرار ہو جاتی ہے تو کبھی نندوں کے ساتھ نوک جھونک یا بھابھیوں یا ان کے بچوں کے ساتھ کوئی معاملہ، ان میں

سے ہر ایک کے ساتھ مرد کا خصوصی تعلق ہے، گو اس کی اہمیت ونوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن ہر ایک کے ساتھ تعلق کے خصوصی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

ایک عورت اس کی بیوی بن کر اس کے پاس آئی ہے وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں نازونعمت میں پلی ہے، وہ ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور ان کے دلوں کا ٹکڑا رہی ہے، اس نئے گھر میں اس کو ماں باپ کی محبت وشفقت کا بدل بلکہ نعم البدل ملنا چاہیے۔ (شریعت کا حکم بھی یہی ہے)۔

اس مرد (خاوند) کی ماں ہے، جس نے اس کی خاطر ہر طرح کی مشقتیں برداشت کی ہیں، اس کو پال پوس کر جوان کیا ہے پھر اس کی حسب خواہش اس کی جوانی کی آرزو (شادی کرکے) پوری کی ہے۔ بیوی کے آجانے کے بعد بھی ضروری ہے کہ اس کی طرف سے ماں کی خدمت، حسن سلوک، ادب واحترام میں کوئی کمی نہ آئے۔

گھر میں باپ ہے، جس نے دکھ دیکھا نہ سکھ، ہر حالت میں شب وروز محنت کرکے دولہا کی کفالت کی، اس کی تعلیم سے لے کر زندگی کی ہر ضرورت تک، اس نے وسائل مہیا کیے، آخر میں شادی کا بندوبست کیا، کیا اب دولہا میاں کو یہ زیب دے گا کہ شادی کے بعد وہ اپنے محسن باپ سے ادب واحترام اور حسن سلوک کے تقاضوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے؟

دولہا کی بہنیں ہیں یا چھوٹے بھائی ہیں، ان کی بھی محبت کے کچھ تقاضے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

چکی کے تو دو ہی پاٹ ہوتے ہیں جن کے درمیان آنے کا محاورہ مشہور ہے لیکن یہاں تو کئی پاٹ ہیں جن میں شادی کے بعد ایک مرد کو خواہی نخواہی آنا پڑتا ہے ان پاٹوں کی زد

میں آنے سے بچاؤ کے لیے اسے حکمت ودانش سے کام لینا پڑے گا جس میں شریعت اسلامیہ اس کی پوری مدد کرتی ہے اور اگر مرد شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے سب کے حقوق کی ادائیگی میں حسب مراتب مخلص ہوگا اور کسی کے ساتھ بھی تجاوز کرنے کی نیت نہیں رکھے گا تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا اور وہ اس امتحان میں سرخ رُو رہے گا اور اس پل صراط کو عبور کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

(3)ساس کا کردار

تیسرے نمبر پر دولہا کی ماں کا کردار ہے جس کو ساس کہا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ساس بہو کا روایتی کردار مشہور ہے اور اس کے بارے میں مختلف حکایتیں اور کہاوتیں عام ہیں۔

ساس حسب ذیل تجاویز یا تدابیر کو اختیار کرے تو یقیناً حسن کردار کے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔

(1)مذکورہ آیت وحدیث پر عمل کرتے ہوئے برائی کو بھلائی سے ٹالے، نفرت کے بجائے محبت واپنائیت کا مظاہرہ کرے، شفقت ونرمی کو معمول بنائے۔

(2)بیٹے کا گھر آباد کرنے کی نیت سے خوب دیکھ بھال کر دلہن کو گھر میں لاکر رکھا ہے اب گھر کو آباد رکھنے کی نیت کرلے اور اس کے جو تقاضے ہیں ان کو بروئے کار لائے۔(3) بہو کی خوبیوں کو سراہے، کوتاہیوں سے درگزر کرے جو کوتاہیاں سمجھانے سے دور ہوسکتی ہیں، اسے سمجھا کر دور کرنے کی مخلصانہ اور ہمدردانہ کوششیں کی جائیں، بار بار سمجھانے میں بھی گرانی محسوس نہ کرے، اس کی ناسمجھی پر غصے اور ناراضی کا اظہار کرنے کے بجائے چھوٹوں پر شفقت کرنے کے جذبے کو توانا اور برقرار رکھے۔

بہو کو غیر نہ سمجھے بلکہ بیٹیوں کی طرح اُسے عزیز رکھے، اسے بیٹیوں والا پیار اور شفقت دے، بیٹیوں کی غلطیوں کو جس طرح باربار کرنے کے باوجود نظر انداز کر دیا جاتا ہے بہو کی غلطیوں کی بھی یہی حیثیت دی جائے۔

(4)اس میں کھانے پکانے کی صحیح مہارت نہ ہو تو اس کی اس کوتاہی کو بتدریج دور کیا جائے۔ طعن و تشنیع کے بجائے اس کو نو آموز سمجھ کر خوش ذائقہ کھانوں کے طریقے اور ترکیبیں سمجھائی جائیں۔

(5)بیٹا اگر بیوی سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کرنا فطری بات بھی ہے اور اس کا حق بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جو محبت ہوتی ہے اس کی کوئی دوسری مثال ناپید ہے۔ اس کی اس فطری محبت اور اس کے مظاہر کو برداشت کیا جائے، اس کو اپنا رقیب یا حریف سمجھنے کی غلطی نہ کی جائے آخر شادی کا مقصد بھی اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ محبت کریں، شادی کے بعد اس محبت پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

(3)بیوی کا حسن کردار اور حسن تدبیر

گھر کو آباد رکھنے میں چوتھے نمبر پر بیوی کا کردار اور اس کا حسن تدبیر ہے اگر عورت حسب ذیل باتوں کا خیال رکھے تو وہ بھی یقیناً اپنے گھر کو امن و سکون کا گہوارہ اور جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔

(1) چھوٹوں (نندوں وغیرہ) پر شفقت اور بڑوں (ساس، سسر وغیرہ) کے ادب واحترام کو اپنا شعار بنائے اور اس میں کسی مرحلے پر بھی کوتاہی نہ کرے۔

(2)امور خانہ داری میں پوری دلچسپی لے، کھانے پکانے کا کام ہو، صفائی ستھرائی کا مسئلہ ہو، مہمانوں کی خاطر تواضع کا مرحلہ ہو، عزیز واقارب سے تعلقات نبھانے کا مسئلہ ہو، خاوند یا ساس سسر کی خدمت کی ضرورت ہو، بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی

کی ذمے داری ہو، وہ کسی بھی مرحلے میں غفلت، سستی یا لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرے عورت کی عزت، خدمت اور مسلسل خدمت ہی میں ہے۔ خدمت سے گریز کرکے کوئی عورت نہ عزت حاصل کر سکتی ہے اور نہ گھر والوں کے لیے آرام وراحت کا باعث ہو سکتی ہے۔ عورت سلیقہ مند بھی تب ہی کہلائی اور سمجھی جائے گی جب وہ مذکورہ امور حسن وخوبی سے انجام دے گی ورنہ وہ پھوہڑ عورت کہلائی اور سمجھی جائے گی اور خاندان اور معاشرے میں سلیقہ مند عورت ہی معزز ومحترم سمجھی جاتی ہے نہ کہ پھوہڑ عورت۔

(3)عورت نئے گھر میں آکر اپنے ماں باپ کے گھر کو بھول جائے گھر کو بھول جانے کا مطلب ماں باپ کو بھول جانا نہیں ہے وہ تو ایک لازوال فطری تعلق ہے، اس کو کس طرح بھلایا یا دل سے نکالا جاسکتا ہے، ماں باپ سے محبت کا تعلق تو سدا قائم رہنا اور قائم رکھنا ہے، پرانے گھر کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت یہ سمجھے کہ اب میرا جینا اور مرنا اس نئے گھر کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اب میں نے اسی کو سنوارنا اور سنبھالنا ہے۔

لیکن اس جذبے کو رُوبہ عمل لانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے چند باتوں کا اہتمام ضروری ہے۔

اول: یہ کہ اس گھر کے عرویسر کو برداشت اور اس کی اونچ نیچ کو انگیز کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑھا چڑھا کر ماں باپ تک نہ پہنچائی جائیں، چھوٹی موٹی باتیں ہر گھر میں ہوتی ہیں حتی کہ ماں بیٹیوں کے درمیان اور باپ بیٹوں کے درمیان اور بھائی بہنوں کے درمیان بھی ہوتی رہتی ہیں اگر ساس بہو، یا بھاوج نندوں کے درمیان یا میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہیں تو یہ کوئی نہ انہونی بات ہے کہ ماں باپ کو اس سے ضرور آگاہ کیا جائے اور نہ ان کی ایسی

اہمیت ہے کہ ماں باپ کے علم میں لانا ضروری ہو، بلکہ یہ رویہ سخت خطرناک اور آبادکاری کے منافی ہے۔

دوم: یہ کہ عورت اس نئے گھر کے ماحول کو سمجھے اور اپنے آپ کو اس ماحول میں پوری سنجیدگی سے ڈھالے، ماں باپ کے گھر میں وہ جو کام کرتی تھی وہ یہاں اگر نہیں ہوتے تو ان کو یہاں کرنے پر اصرار نہ کرے اور جو کام اس نے اپنے گھر میں کبھی نہیں کیے لیکن یہاں وہ کیے جاتے ہیں تو ان کے کرنے میں تامل یا گریز نہ کرے بشرطیکہ ان میں شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

اسی طرح ماں باپ کے گھر میں اسے جو سہولتیں حاصل تھیں، نئے گھر میں وہ سہولتیں کم ہیں یا ان کا فقدان ہے تو اس سے نہ گھبرائے اور نہ پریشان ہو اور نہ اس کی وجہ سے ماں باپ کو کوسے۔ بلکہ اللہ سے دعائیں کرے اور بہتری کے لیے مل جل کر کوششیں جاری رکھے، اللہ کا یہ فرمان یاد رکھے۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

الانشراح-6/5

" بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بلاشبہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ دو مرتبہ اس حقیقت کا اظہار فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے یقیناً اللہ تعالیٰ مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے اور جو لوگ اللہ سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے صبر کرتے اور مشکلات برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد فرماتا اور ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادیتا ہے۔

سوم: یہ کہ اگر اس کو خاوند ایسا ملا ہے جو اس کی سوچ اور معیار سے کم ہے، وہ اس کے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہے۔ اب اس کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر دل سے قبول کرلے اور

صبر و شکر سے کام لے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے اس کے حسین سپنوں سے زیادہ بہتری پیدا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

البقرة-216

''ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو جب کہ وہ تمہارے لیے بری ہو (کیونکہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

ایک نہایت دلچسپ حکایت:

وہ دلچسپ اور عبرت آموز حکایت یہ ہے کہ ایک عورت نہایت حسین وجمیل تھی لیکن خاوند اسے اتنا ہی بد شکل اور بد صورت ملا کسی نے اس عورت سے پوچھا کہ تو اتنی خوبصورت ہے اور تیرا خاوند اتنا بد صورت؟ تیرا گزارا اس کے ساتھ کس طرح ہو رہا ہے؟ اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: ہمارا گزارا بہت اچھا ہو رہا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ نے اس کو میرے جیسی حسین وجمیل بیوی عطا کر دی جس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مجھے اس جیسا بد صورت خاوند ملا تو میں نے اس پر صبر کیا اور صابر و شاکر دونوں کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے ہمیں امید ہے کہ یہ دنیا تو چند روزہ ہے، گزر ہی جائے گی لیکن ہم دونوں صبر اور شکر کرنے کی وجہ سے جنت کے حق دار قرار پائیں گے۔

یہ حکایت جتنی دلچسپ ہے اتنی ہی حکمت و موعظت سے لبریز ہے، کاش عورتیں احساس محرومی کے وقت اس میں پنہاں سبق کو حرز جان بنا لیں۔

چہارم: اگر مشترکہ گھر میں جیٹھ اور دیور اور ان کی بیویاں اور بچے بھی ہوں تو یہاں بھی عورت چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ادب واحترام والے اس سبق کو یادرکھے جس کی تلقین مذکورہ حدیث میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں خوش اخلاقی اور خوش زبانی کا التزام کرے اور ان کے تقاضوں سے کسی بھی مرحلے پر انحراف نہ کرے۔

مشترکہ خاندان میں دونوں باتوں کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے کیونکہ اکٹھے رہنے میں جہاں بہت سے فائدے یا مجبوریاں ہیں وہاں لڑائی جھگڑے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہیں، بعض دفعہ عورتوں میں باہم کسی بات پر تکرار ہو سکتی ہے۔ بھائیوں کے درمیان اختلافات ہو سکتے ہیں، بچوں کا آپس میں مل کر کھیلنا کودنا اور نادانی اور ناسمجھی میں ایک دوسرے کو زک پہنچانا، بچوں میں معمول کی بات ہوتی ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کا تقاضا ہے کہ بچوں کی لڑائی کو ایسا ہی سمجھا جائے جیسے بچپنے میں حقیقی بہن بھائی ایک دوسرے کو مار پیٹ لیتے ہیں یا زیادہ تیز طرار بچہ دوسرے بھولے بھالے بھائی کی چیزیں چھین لیتا یا زیادتی کرتا ہے تو ان کو ناسمجھ سمجھ کر برداشت کیا جاتا ہے یہی رویہ سارے بھائیوں کے چھوٹے بچوں کے ساتھ اپنانا ضروری ہے، سب کو اپنے ہی بچوں کی طرح سمجھیں اور دیکھیں اور ان کی آپس کی باہمی معصومانہ لڑائیوں کو نظر انداز کریں اور ان کی لڑائی کو بڑوں کی لڑائی میں تبدیل نہ کریں اور نہ ہونے دیں۔

اس رویے کو اپنانے میں بڑوں کے ادب واحترام اور خوش اخلاقی وخوش زبانی کا بھی بڑا دخل ہے، کوئی بھی عورت ان کے تقاضوں سے بھی کبھی غفلت نہ برتے بلکہ ان خوبیوں کو اپنی سیرت وکردار کا حصہ اور زندگی کا معمول بنائے، یہ اللہ اور رسول کا بھی حکم ہے اور حکمت ودانش کا مظہر بھی۔ جس کے اختیار کرنے میں آخرت کی بھی بھلائی اور دنیوی زندگی میں خیر اور فلاح کا ذریعہ بھی۔ اللہ کی نظر میں بھی پسندیدگی کا باعث ہے اور خاندان میں بھی عزت اور نیک نامی کا ذریعہ۔

وَفَّقَ اللّٰہُ جَمِیعَ الْمُسلِمِینَ وَالْمُسلِمَاتِ لِمَا یُحِبُّ وَیَرضَی

اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مرد و خواتین کو ہر اس عمل کی توفیق عطا فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی پسند اور رضا کا سبب ہو۔

پنجم : اگر خاوند کے وسائل الگ گھر لے کر الگ رہنے کے متحمل نہیں ہیں تو عورت خاوند کو کبھی بھی اس پر مجبور نہ کرے بلکہ مذکورہ ہدایات کی روشنی میں مشترکہ طور پر ہی گزارا کرے تا آنکہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادے۔

ہاں اگر خاوند کے وسائل اس امر کی اجازت دیں کہ وہ الگ مکان لے سکتا ہے (کرائے پر یا خرید کر) اور وہاں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزارا کر سکتا ہے اور علیحدہ رہ کر والدین کی بھی حسب ضرورت اور حسب استطاعت خدمت کر سکتا ہے، تو شادی کے بعد علیحدگی میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں علیحدگی بہتر ہے ایسی صورت حال میں والدین کو بھی بیٹے کو بہ رضا و رغبت علیحدہ رہنے کی اجازت دے دینی چاہیے۔

ششم: بڑوں کے ادب واحترام کی بابت جو عرض کیا گیا ہے، ان میں ساس سسر (دولہا کے ماں باپ) سرفہرست ہیں۔ سسرال میں آنے کے بعد عورت (دلہن) کے لیے یہ بھی اس کے لیے ماں باپ کے درجے میں ہیں اب اس گھر میں جس طرح یہ دولہا کے ماں باپ ہیں دلہن کے بھی ماں باپ ہیں۔ ماں باپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آنے والی دلہن کو بیٹی کی حیثیت دیں اور بیٹیوں والی شفقت اور پیار اسے دیں، اسی طرح عورت بھی ان کو زبان ہی سے اَمی، اَبّو نہ کہے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ان کو ماں باپ والا احترام (پروٹوکول) دے، ان کے ساتھ گستاخانہ رویہ کسی حال میں بھی روا نہ رکھے، ساس اس کو امور خانہ کے بارے میں جو ہدایات دے، ان کو بہ صمیم قلب قبول کرے، ان کو بروئے کار لانے میں عملاً کوئی کوتاہی نہ

کرے، ساس کو بار بار سمجھانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ یہ ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب بہو ان ہدایات کی نہ پرواہی کرتی ہے اور نہ ان ہدایات کی روشنی میں اپنا رویہ ہی تبدیل کرتی ہے حالانکہ ان ہدایات کا مقصد عام طور پر بہو کی اصلاح، گھر کی اصلاح اور روز مرہ کے معمولات میں پیش آنے والی کوتاہیوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان ہدایات کی پابندی اور سنجیدگی سے ان پر عمل کرنے سے بہو کے کردار ہی میں بہتری آتی ہے اور گھر والوں کی نظر میں اس کی عزت اور احترام میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

لیکن بار بار کے سمجھانے کے باوجود اگر بہو اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اس سے یقیناً وہ گھر والوں کی نظر میں اس احترام سے محروم ہوجاتی ہے جو اس کا حق ہے اور جو اس کو اس گھر میں ملنا چاہیے۔ لیکن اس کی وجہ اس کی اپنی کوتاہی ہے جو کسی سمجھدار بہو سے متوقع نہیں ہے، علاوہ ازیں بہو کا یہ کردار بھی گستاخی پر مبنی ہے، ساس، جو بمنزلہ ماں ہے، اس کو ایک بات بار بار سمجھاتی ہے لیکن وہ اس کو اختیار نہیں کرتی، اس کے مطابق اپنی اصلاح نہیں کرتی تو یقیناً یہ گستاخی ہے جس کی نہ شرعاً اس کو اجازت ہے نہ اخلاقاً اور نہ مصلحتاً۔

مصلحت تو اسی میں ہے کہ وہ ساس کی سمجھائی ہوئی باتوں کو اہمیت دے، آخر اب دلہن نے اسی گھر میں رہنا ہے تو پانی میں رہ کر مگرمچھ سے بیر رکھنا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ ساس کا قرار واقعی احترام کرکے اس کے دل میں اپنا مقام اور اپنا وقار بنائے، یہی دانش مندی ہے، یہی عزت ووقار کا باعث اور امن وسکون کی خوشگوار فضا قائم کرنے اور قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اسی میں خاوند کی بھی رضا مندی ہے اور اس کی رضامندی، احکام شریعت کی پابندی کے بعد، جنت کی ضمانت ہے۔

میاں بیوی کی رنجش میں میکے والوں کا کردار

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے، آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سے پوچھا تمہارے عم زاد کہاں ہیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ، فَغَاضَبَنِي، فَخَرَجَ، فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي

''میرے اور ان کے درمیان کوئی بات ہو گئی تھی تو وہ گھر سے غصے میں چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ بھی نہیں کیا۔'' [22]

رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص سے کہا ان کو دیکھو! وہ کہاں ہیں؟ اس نے آکر بتلایا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ وہ واقعی وہاں سوئے ہوئے ہیں، ان کی چادر (نیند کی وجہ سے) ان کے پہلو سے گری ہوئی ہے اور ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قُمْ أَبَا تُرَابٍ، قُمْ أَبَا تُرَاب

''ابوتراب اٹھو! ابوتراب اٹھو!۔'' [23]

اس وقت سے ان کی یہ کنیت مشہور ہو گئی اور چونکہ اس کنیت سے آپ کو خطاب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اس لیے یہ کنیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی۔

ابوتراب کے معنی ہیں مٹی والے۔ چونکہ جناب علی رضی اللہ عنہ فرشِ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور چادر جسم سے اتر جانے کی وجہ سے جسم پر مٹی لگ گئی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ابوتراب سے خطاب فرمایا۔

اس واقعے میں یہ نہایت اہم سبق پنہاں ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اگر کوئی رنجش ہوجائے اور لڑکی کے گھر والوں کو اس کا علم ہوجائے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ بچی کو فوراً اپنے گھر لے آؤ، یا بچی ازخود خاوند کے گھر سے نکل کر میکے چلی آئے بلکہ عورت گھر ہی میں رہے، عورت کے گھر والے بھی اسے اپنے خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیں البتہ پہل کر کے خاوند سے رابطہ کریں اور میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والی رنجش کو دور کر دیں اور اس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

ہمارے یہاں ایسی صورت میں اس کے برعکس بالعموم یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو اپنے گھر لے آتے ہیں یا بعض لڑکیاں اتنی جارت کرتی ہیں کہ ازخود اپنے میکے آجاتی ہیں۔ ماں باپ بیٹی کی محبت میں اس کے اس غلط اقدام کی حمایت کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، یوں معاملہ بگڑ جاتا ہے اور اختلاف کی چنگاری شعلہ بن جاتی ہے جس سے بعض دفعہ گھر ہی بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بیٹی کی یہ محبت نادانشی پر مبنی ہے اور اس قسم کا فیصلہ جلد بازی کا مظاہرہ ہے، نہ یہ بے دانشی صحیح ہے اور نہ یہ جلد بازی ہی مناسب ہے، محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیٹی کا گھر آباد ہی رہے، یہ جذبہ تمام باتوں پر غالب رہے، اس کے لیے بہتر حکمت عملی یہی ہے کہ بچی کو ہر حالت میں سسرال ہی میں رہنے دیا جائے اگر وہ خود آجائے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اسے فوراً سسرال پہنچا دیا جائے اور مناسب انداز سے باہم پیدا ہونے والے اختلاف کو دور کرنے کی سعی کی جائے، بیٹی کی غلطی ہو تو اس کی سرزنش کی جائے۔ سسرال والوں کی غلطی ہو تو ان کو سمجھایا جائے لیکن کسی حالت میں بھی بچی کو نہ خود گھر میں لا کر بٹھائیں اور نہ بچی کو گھر میں آنے دیں۔ بچی سے محبت کا صحیح تقاضا اس کے گھر کو آباد رکھنا ہے نہ کہ اس کی حوصلہ افزائی کر کے اس کے گھر کو اُجاڑنا۔

شریعت اسلامیہ نے تو اس نکتے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق میں بھی، جن میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، یہ حکم دیا ہے کہ مطلقہ کو خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیا جائے، طلاق مل جانے کے باوجود والدین اس کو اپنے گھر مت لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

الطلاق-1

’’(طلاق کے بعد) ان کو ان کے (اپنے) گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو اور بات ہے (پھر نکالنے کا جواز ہے)۔‘‘

---

[2] صحیح البخاری: کتاب النکاح باب کیف یری للمتزوج، حدیث:5155،5153

[3] صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب البناء فی السفر، حدیث:5159

[4] صحیح البخاری: کتاب الصلاۃ، باب مایذکر فی الفخذ

[5] صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب زواج زینب بنت جحش

[6] صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ

[7] صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ

[8] سنن ابو داؤد: کتاب الادب، باب من یؤمر ان یجالس

[9] صحیح مسلم: حدیث:1431

[10] السنن الکبریٰ للبیھقی: باب الشیخ الکبیر لایطیق الصوم...

[11] ارواء الغلیل:7/11-12، حدیث:1952

[12] سنن ابن ماجہ، مسند ابی یعلی، بحوالہ ’’آداب الزفاف‘‘ للالبانی، ص:77

[13] سنن ابن ماجہ، مسند ابی یعلی، بحوالہ ’’آداب الزفاف‘‘ للالبانی، ص:77

[14] سنن بیہقی 7/268 بسند صحیح، بحوالہ: آداب الزفاف، ص:80

[15] سنن بیہقی بسند صحیح، آداب الزفاف، ص:81

[16] آداب الزفاف، للالبانی رحمہ اللہ، ص:81

[17] صحیح مسلم: کتاب الاشربہ، باب استحباب وضع النویٰ..... ، سنن ابو داؤد، کتاب الاشربہ، باب فی النفخ

[18] صحیح مسلم: کتاب الاشربہ، باب اکرام الضیف

[19] سنن ابو داؤد: کتاب الاطعمہ، باب ماجاء فی الدعاء لرب الطعام إذا أکل عندہ

[20] صحیح البخاری: کتاب المواقیت، باب مایکرہ من النوم قبل العشاء

[21] جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان

[22] صحیح البخاری: کتاب الصلوۃ، باب نوم الرجال فی المسجد

[23] صحیح البخاری: الصلاۃ، باب نوم الرجال فی المسجد، حدیث:441

(10) اللہ کی پکڑمسلمانوں پر کب آتی ہے؟

الشیخ عبد الرحمن ثاقب حفظہ اللہ

اللہ تعالی کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ رحمت کا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ بندے گناہ در گناہ کرتے رہیں وہ تب بھی انہیں ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ اللہ تعالی چاہے تو بندوں کے گناہ پر فوراسزادے دے مگر اسکاڈھیل دینا بھی اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا

الکھف-58

’’تیرا پروردگار بہت ہی بخشش والا اور مہربانی والا ہے وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں پکڑے تو بیشک انھیں جلدی عذاب کردے، بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی ہرگز جگہ نہیں پائیں گے‘‘

یعنی اللہ تعالی عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اپنی رحمت کے معاملے کو جاری رکھتے ہوئے ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا

فاطر-45

’’اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب سخت گیری فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے سو جب ان کی میعاد آپہنچے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا‘‘۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے پاس عرش پر ایک کتاب لکھی اور اس میں یہ بات بھی لکھی: ان رحمتی سبقت غضبی (صحیح البخاری:7422)

''بے شک میری رحمت میرے غصے پر سبقت لے گئی۔'' یعنی اللہ کی رحمت اس کے غصے اور عذاب پر غالب ہے۔ اسی بات کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

الرعد-11

''بے شک اللہ تعالی نہیں بدلتا اس (نعمت) کو جو کسی قوم کے پاس ہے یہاں تک وہ خود بدل لیں اس کو جو ان کے دلوں میں ہے''۔

یعنی ان کے دلوں میں جو ایمان اور فطرت کی نعمت ہے جب تک وہ اسے نہیں بدلتے ' اللہ تعالی انہیں عذاب میں گرفتار نہیں کرتا۔ یہ تمام نصوص اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی کا اپنے بندوں کے ساتھ سب سے پہلا جو معاملہ ہے وہ رحمت کا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالی اپنے بندوں پر اتنا رحمان و رحیم ہے تو پھر اس کا عذاب کیوں آتا ہے؟ رحمت کے باجود ہم کچھ لوگوں کو عذاب میں مبتلا دیکھتے ہیں؟ اللہ کی پکڑ کب آتی ہے؟

ارشاد باری تعالی ہے:

فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ

الزخرف-55

''پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا''

غور و فکر کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کو غصہ کب آتا ہے؟ رحمت کرنے کے بجائے ‘وہ غضب سے دوچار کیوں کرتا ہے؟ قرآن وحدیث کے مطالعہ کے بعد چند ایسی صورتیں سامنے آتی ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالی کی پکڑ آتی ہے۔ ذیل میں ہم چند صورتیں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

1 شرک:

اللہ تعالی کے غصہ اور اس کی پکڑ کا ایک بنیادی سبب ”شرک“ ہے۔ جب بندہ اللہ کے ساتھ مخلوق میں سے کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ کو اس پر بہت غصہ اور غیرت آتی ہے۔

سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: ”اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو میں اپنی تلوار کو ادھر ادھر موڑے بغیر سیدھی تلوار کے ساتھ اسے کو مار دوں گا۔ سعد رضی اللہ عنہ کی اس بات کا نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”تم سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم میں اسے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالی مجھ سے زیادہ غیور ہے۔“ اسی لیے اللہ تعالی نے ظاہری اور باطنی تمام منکرات کو حرام قرار دیا ہے۔“

(صحیح مسلم 1499)

یعنی جس طرح ایک شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر شخص کی شراکت پر غصہ آتا ہے اسی طرح اللہ تعالی کو اپنی الوہیت میں کسی غیر کی شراکت پر بہت غصہ آتا ہے۔ شرک کی نجاست کی بنا پر اللہ تعالی اس آدمی کی تمام نیکیاں ختم کر کے اسے دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کریگا۔ اللہ تعالی نے اسی بارے میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے صاف الفاظ میں ارشاد فرمادیا:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ

الزمر 65

''یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تونے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا''

شرک ایسا جرم ہے جس پر اللہ تعالی کو بہت غصہ آتا ہے۔ جو قوم اجتماعی طور پر اس کا ارتکاب کرتی ہے، اللہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ ایسی قوم پر اللہ کی پکڑ آتی ہے اور وہ تباہ و برباد کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ

الاحقاف۔ 28/27

''اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں، پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے، بلکہ دراصل یہ محض جھوٹ اور بالکل بہتان تھا۔''

درج بالا نصوص سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ معبودان باطلہ کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان پر اللہ کی پکڑ آتی ہے۔ ایسے لوگوں پر دنیا میں بھی مختلف صورتوں مین اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھی انھیں ہولناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

2 اللہ تعالی پر جھوٹ باندھنا:

دین اسلام میں جھوٹ کی بہت زیادہ مزمت بیان کی گئی ہے۔ اور جھوٹ کی جو وعیدیں بیان کی گئی ہیں وہ بھی بہت سخت قسم کی ہیں۔ مسلمان اگر آپس میں جھوٹ بولیں تو اسکی وعید الگ ہے۔ اگر کسی صحابی پر جھوٹ بولیں تو وعید الگ ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کریں تو وعید الگ ہے۔ اور اگر اللہ تعالی پر جھوٹ باندھے اور اسکی طرف منسوب کریں تو اسکی سزا الگ ہے۔ اور جو اقوام اللہ تعالی پر جھوٹ باندھے وہ قومیں پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کریں۔ کسی وقت بھی اللہ کا عذاب ان کے پاس آسکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے پر تو کثرت سے جھوٹ بولا ہی جاتا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کی طرف بھی کثرت سے جھوٹی احادیث منسوب کی جاتی ہیں۔ مگر کچھ بد بخت ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالی پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ ان کو یہ کام کرتے ہوئے ذرا بھی شرم وحیا نہیں آتی۔ جو بات انھیں اچھی لگتی ہے وہ اسے اللہ تعالی کی طرف منسوب کرکے لوگوں کو بیان کرنا شروع کر دے تے ہیں۔ خصوصا سوشل میڈیا پر اس قسم کا جھوٹ بہت زیادہ بولا جاتا ہے۔ اپنی طرف سے ایک پوسٹ تیار کرکے نیچے قرآن کی کسی سورت کا یا کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ دے دیا جاتا ہے۔ اولا تو کوئی بھی پڑھنے والا حوالہ چیک ہی نہیں کرتا۔ اور اگر حوالہ تلاش کرنے لگے تو وہ حوالہ بھی غلط ہوتا ہے۔ حقیقت میں اس بات کا نہ قرآن سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی حدیث سے۔ بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں جو دلیل اور حوالے کا کونسیپٹ ہے وہ بالکل ختم ہو گیا ہے۔ بس مولوی صاحب نے جو بات بول دی ہے اور لکھنے والے نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ سب ٹھیک ہے کوئی اسے حوالہ معلوم نہیں کرنا۔ اور اگر کوئی غلطی سے پوچھ بھی لے تو بزرگوں کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ فلاں نے یوں کیا فلاں نے یوں کھا فلاں بزرگ کے تجربے اور مشاہدے میں یہ بات آئی ہے فلاں کی یہ کرامات میں سے ہے اور فلاں کے یہ

معجزات میں سے ہے۔ اس جاہل مولوی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ معجزات کا تعلق یہ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہے۔ بزرگوں پر بات ختم ہو جاتی ہے مولوی صاحب اسے آگے نہیں جاتے۔ جب لوگ دین بزرگوں کے اقوال و ارا کو بنالیں اللہ تعالی پر اس قسم کا جھوٹ باندھنا شروع کر دیں تو ان پر اللہ کو بہت غصہ آتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کے حوالے سے اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو شاعر اور کاہن کہا۔ اور یہ الزام لگایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اللہ تعالی نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ

الحاقة۔ 46/44

''اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنالیتا تو ہم یقینا پکڑ لیتے ان کو داہنے ہاتھ سے، پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے''

یہ اللہ تعالی کی دھمکی کسی عام شخصیت کو نہیں ہے بلکہ سید الانبیا دونوں جہانوں کے سردار رسول اللہ ﷺ کو مل رہی ہے۔ اگر دنیا کا کوئی عام انسان اللہ پر جھوٹ باندھے اور منسوب کرے اس کا کیا حال ہوگا؟ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ ایسا جرم ہے کہ اسکا ارتکاب کرنے والوں پر اللہ کا عذاب انکے سروں پر منڈلاتا رہتا ہے۔ کبھی نہ کبھی اللہ کی پکڑ آسکتی ہے انھیں کسی نہ کسی صورت اللہ کے عذاب کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا۔

3فحاشی وعریانی:

ہر معاشرہ پاکیزہ بنیادوں پر قائم ہو، یہ اسلام کی اولین ترجیح ہے۔ جس معاشرے میں فحاشی وعریانی پھیل جائے وہ معاشرہ نیست ونابود کر دیا جاتا

ہے۔اسلام اپنے ماننے والوں کو پاکیزہ ماحول فراہم کرتا ہے مگر بعض اسلام دشمن عناصر اسلامی معاشرے میں فحاشی پھیلانے کے درپے رہتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بھی فحاشی انتہا درجے کو پہنچ گئی ہے۔ ہمارے ہاں فحاشی پھیلانے میں الیکٹرانک میڈیا کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا کا بھی بڑا اہم کردار ہے۔اسلامی معاشرے میں فحاشی پھیلانا بھی ایسا فعل ہے جس پر اللہ تعالی کی پکڑ آتی ہے۔فحاشی پھیلانے والے افراد دنیا ہی میں اللہ کے عذاب سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ایسے افراد کو تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ

النور-19

’ ’جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے‘ ‘

رسول اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:”جب کسی بھی قوم میں فحاشی علانیہ طور پر ہونے لگتی ہیں تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گزرے ہوئے بزرگوں میں نہیں ہوتی تھیں۔“

)سنن ابی دائود40(

جس معاشرے میں فحاشی پھیل جاتی ہے وہاں اللہ کی پکڑ کی ایک صورت طاعون جیسی بیماریاں ہیں۔ان نئی نئی بیماریوں کے بارے میں جو رائے قائم کرلی گئی ہے کہ ملاوٹ زدہ خوراک کے استعمال کی وجہ سے بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔اس اندیشے کو

رد نہیں کیا جا سکتا، تاہم اصل سبب کچھ اور ہے۔ اسی سبب کی نشان دہی رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

4ناپ تول میں کمی:

اللہ تعالی کی پکڑ اور عذاب کو دعوت دینے والے امور میں سے ایک امر ناپ تول میں کمی کرنا بھی ہے۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اللہ تعالی اس قوم کو مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کسی سے کوئی چیز لیتے وقت پوری پوری لینا اور دیتے وقت کم کر کے دینا، یہ قبیح فعل شعیب علیہ السلام کی قوم بھی میں پایا جاتا تھا۔ شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آئے۔ ان کی اس سرکشی کی بنا پر اللہ تعالی نے ان پر دردناک عذاب نازل کیا۔ ایک ہفتہ سخت گرمی پڑنے کے بعد ان پر بادلوں کا سایا کایا گیا۔ جب لوگ بادلوں کو دیکھ کر ان کے سائے میں جمع ہوئے تو ان پر پانی کے بجائے آگ کے شعلوں کی بارش برسائی گئی۔ یہ ان کے اس فعل کی سزا تھی جس سے وہ باز نہیں آتے تھے۔ قرآن کریم نے اسے مختلف جگہ پر بیان کیا ہے۔ دیکھیے

)الاعراف 85، الشعراء189(

یہ فعل قبیح مدینہ کے لوگوں میں بھی پایا جاتا تھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو سب نے اس فعل قبیح سے توبہ کر لی۔ اور اس کے متعلق سورۃ المطففین نازل ہوئی۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ، الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ، وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ

المطففين- 3/2/1

’ ’بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں‘ ‘

یعنی لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ناپ تول میں ڈنڈی مار کر کمی کرنا، بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے جس کا نتیجہ دنیا و آخرت کی تباہی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس کو قحط سالی، روزگار میں تنگی اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعے سے سزا دی جاتی ہے۔"

(سنن ابن ماجۃ 4019)

5 زکاۃ کی عدم ادائیگی:

اللہ تعالی کے دیے مال میں سے زکاۃ ادا کرنا اہل ایمان پر فرض ہے۔ جو لوگ سال گزرنے کے باوجود اپنے مال میں زکاۃ ادا نہیں کرتے قیامت کے دن تو انھیں عذاب ہوگا ہی البتہ دنیا میں بھی وہ اللہ کے عذاب سے دوچار ہوں گے۔ دنیا میں عذاب کی صورت یہ ہے کہ آسمان سے بارش روک دی جائے گی۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے۔ "جو لوگ اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتے ان پر آسمان سے بارش روک دی جاتی ہے۔ اگر زمین پر چرند پرند نہ ہوتے تو ان کو کبھی بارش نہ دی جاتی۔"

(سنن ابن ماجہ: 4019)

یعنی اپنے مال کی زکاۃ ادا نہ کرنا ایسا جرم ہے جس پر اللہ کی پکڑ آسکتی ہے۔

خلاصہ کلام: میں نے پانچ اسباب بیان کیے ہیں جو اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والے ہیں۔ ان میں سے پہلا سبب "شرک" ہے۔ اب آپ غور کریں کیا ہمارا ملک شرک سے پاک ہے؟ میں کسی صوبہ کی بات نہیں کرتا کسی ڈویژن کی بات نہیں کرتا کسی ضلع کی بات نہیں کرتا کسی تحصیل کی بات نہیں کرتا آپ کوئی کالونی کوئی محلہ کوئی سیکٹر اور کوئی گلی دیکھا دیں جہاں پر اللہ کے مقابلہ میں کوئی معبود اور مشکل

کشانہ بنا رکھا ہو۔ دوسرا سبب "اللہ پر جھوٹ باندھنا" ہے۔ یہ جرم بھی ہمارے اندر کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ہمارا الیکٹرانک میڈیا اور خصوصا سوشل میڈیا اس گناہ کبیر سے بھرا پڑا ہے۔ ہر تیسری پوسٹ ایسی ہوتی ہے جو جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ تیسرا سبب "فحاشی و عریانی" ہے۔ ہمارے ملک کا کوئی ایسا کونا نہیں، جہاں پر فحاشی و عریانی نہیں پائی جاتی۔ ہر شہر میں تو زنا کے اڈے کھولے ہوئیں ہیں۔ چھوتھا سبب "ناپ تول میں کمی کرنا" ہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹے ٹھیلے والے سے لیکر بڑے سے بڑے جنرل اسٹور تک کوئی ایسا ہے جو اس فعل قبیح سے پاک ہو۔ الاماشاء اللہ۔ پانچواں سبب "زکاۃ ادا نہ کرنا" ہے۔ ہمارے ملک کا کونا ایسا تاجر، سرمایادار، اور مال دار ہے جو صحیح معنوں میں اللہ تعالی کا حق (زکاۃ) ادا کرتا ہے۔ جب اس طرح کے گناہ ہمارے اندر پائے جائیں گے تو پھر اللہ تعالی کے عذاب تو آئیں گے۔ کبھی زلزلہ کی صورت میں آئیگا کبھی قحط سالی کی صورت میں آئے گا کبھی بارش نہ آنے کی صورت میں آئے گا کبھی بارش زیادہ آنے کی صورت میں آئیگا کبھی سیلاب کی صورت میں آئے گا، یہ سب اللہ تعالی کے عذاب کی صورتیں ہیں۔

محترم قارئیں کرام: جن گناہوں پر اللہ کی پکڑ آتی ہے ان میں سے صرف پانچ گناہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور گناہ بھی ہیں جن پر دنیا ہی میں اللہ کی پکڑ کا ذکر ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں ان تمام گناہوں سے بچ کر زندگی گزارنی چاہیے تاکہ دنیا میں بھی اللہ تعالی کے عذاب سے محفوظ رہیں اور کل قیامت کے دن بھی سرخرو ہو سکیں۔ اللہ تعالی ہمیں ان گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(11) ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاقیں تین شمار ہوتی ہیں یا ایک؟

الشیخ مفتی حافظ محمد سلیم حفظہ اللہ

ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاقیں تین شمار ہوتی ہیں یا ایک؟ یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، اس کو تین شمار کر کے نافذ کرنے والے بھی ہیں۔ اور یہ تینوں ایک ہی کے حکم میں ہیں، اس کے قائلین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد ہے۔

اس حوالے سے کچھ تفصیل ہدیہ قارئین کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض اہل علم مذہبی تعصب میں اس قدر غلو کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ان کے نزدیک اس کا ثبوت نہ قرآن میں نہ حدیث میں، نہ آثار صحابہ کرام سے نہ ہی تابعین عظام سے، اور نہ ہی ائمہ کرام سے ہے، بلکہ یہ امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہم اللہ کے خود تراشیدہ افکار و نظریات میں سے ہے۔ جو انہوں نے امت میں داخل کئے۔ حاشا اللہ

اس قسم کے کلمات جہاں بعض متعصبین کے تعصب کو جو انہیں اہل الحدیث و اہل السنۃ سے ہے، واضح کرتے ہیں۔ وہاں ان کے کم علم اور بے بصیرت ہونے کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ اب ہم اختصاراً وہ دلائل قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور اہل علم کے اقوال سے نقل کرتے ہیں، جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاق قرآن کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ

(البقرۃ:229)

یعنی طلاق رجعی دو بار ہے

یعنی طلاق دے کر رجوع کرنے کا اختیار مرد کو دو مرتبہ ہے، اب یا تو اسے دوسری مرتبہ رجوع کرنے کے بعد معروف طریقہ سے اپنے عقد میں رکھو اور اگر بسانا نہیں چاہتے تو اسے تیسری مرتبہ طلاق دے کر اچھے طریقہ سے چھوڑ دو، اس آیت کریمہ میں لفظ "مرّتان" قابل غور ہے، جو دونوں طلاقوں کے درمیان وقفہ کو چاہتا ہے، اس کی وضاحت قرآن مجید کی اس آیت کریمہ

[سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ](التوبة:101)

یعنی ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دینگے۔ جس کا صاف واضح مفہوم یہی ہے کہ دونوں عذابوں کے درمیان وقفہ ہے ایک مرتبہ دنیا میں تو دوسری مرتبہ آخرت میں۔

اسی طرح ایک ہی وقت کوئی عمل متعدد بار بھی کیا جائے، تو اسے ایک ہی مرتبہ کہا جائے گا، مثلاً اگر کوئی شخص دس لقمے روٹی کے کھائے تو یوں نہیں کہا جائے گا کہ اس نے دس مرتبہ روٹی کھائی یا پانچ گھونٹ پانی کے پینے پر یوں نہیں کہا جائے گا کہ اس نے پانچ مرتبہ پانی پیا۔ نیز میدان عرفات میں کچھ دیر وقوف کر لینا اصل حج ہے۔ اب اگر کوئی شخص وقوف عرفہ والے دن دس پندرہ بار میدان عرفات میں آنا جانا کرے تو یوں نہیں کہا جائے گا کہ اس شخص نے پندرہ حج کر لئے، کیوں کہ یہ سب ایک مجلس /وقت کا عمل ہے جو ایک ہی شمار ہوگا۔

مذکورہ آیت کریمہ کے تحت کئی ائمہ تفسیر نے یہی مفہوم ذکر کیا ہے، جیسا کہ احمد بن علي ابو بكر الرازي الجصاص

الحنفي (المتوفى:370ھ) فرماتے ہیں:

”الطَّلاقُ مَرَّتانِ وَ ذٰلِکَ یَقْتَضِي التَّفْرِیقَ لَا مَحَالَةَ لِأَنَّهُ لَوْ طَلَّقَ اثْنَتَیْنِ مَعًا لَمَا جَازَ أَنْ یُقَالَ طلقها مرتین و کذلک لَوْ دَفَعَ رَجُلٌ إِلَی\آخَرَ دِرْهَمَیْنِ لَمْ یَجُزْ أَنْ یُقَالَ أَعْطَاهُ مَرَّتَیْنِ حَتَّی یُفَرِّقَ الدَّفْعَ“

احکام القرآن، مذکورہ بالا آیت کے تحت

یعنی اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ لازماً دو طلاقیں الگ الگ ہوں، کیونکہ اگر کسی نے بیک وقت دو اکٹھی طلاقیں دیں تو اس کے لئے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ اس نے دو مرتبہ طلاق دی ہے جس طرح کوئی آدمی دوسرے کو بیک وقت دو درھم دیتا ہے تو اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے دو مرتبہ درھم دیئے ہیں جب تک کہ دونوں الگ الگ نہ دے۔]2[

یہی بات تفسیر البحر المحیط (صفحہ نمبر 192۔193 جلد 2)، تفسیر کشاف للزمخشری (صفحہ نمبر 283 جلد نمبر 1)، تفسیر المظھری مصنفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (صفحہ نمبر 300 جلد نمبر 1)، التفسیر الاحمدیہ مصنفہ ملا جیون (صفحہ نمبر 143۔144) و دیگر تفاسیر میں بھی موجود ہے۔

اگر ہم مختلف تفاسیر کی روشنی میں مذکورہ آیت (الطلاق مرتان) کا پس منظر زمانہ جاہلیت کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو وہ بھی کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتا اور پھر دوبارہ طلاق دے دیتا اور عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کر لیتا، یوں اس کا مقصد نہ بسانا ہوتا اور نہ ہی بسنے دینا ہوتا بلکہ اسے لٹکا کے رکھنا ہوتا تھا قرآن مجید میں عورتوں پر ہونے والے اس ظلم کا سدباب کیا گیا یہ کہہ کر کہ طلاق دیکر رجوع کرنے کا حق دو مرتبہ ہے، اب یا تو اس کو اچھی طرح بسا کر رکھو یا تیسری طلاق دیکر فارغ کر دو، یہ حقیقت بھی بیک بارگی کے بجائے طلاق کے لئے وقفہ ہونے کے معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اس تفصیلی بحث کو ہم امام شوکانی رحمہ اللہ کے ایک جامع تبصرہ پر ختم کرتے ہیں۔

جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

"وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي إِرْسَالِ الثَّلَاثِ دُفْعَةً وَاحِدَةً: هَلْ يَقَعُ ثَلَاثًا، أَوْ وَاحِدَةً فَقَطْ. فَذَهَبَ إِلَى الْأَوَّلِ الْجُمْهُورُ، وَذَهَبَ إِلَى الثَّانِي مَنْ عَدَاهُمْ وَهُوَ الْحَقُّ. وَقَدْ قَرَّرْتُهُ فِي مُؤَلَّفَاتِي تَقْرِيرًا بَالِغًا، وَأَفْرَدْتُهُ بِرِسَالَةٍ مُسْتَقِلَّةٍ"

فتح القدیر: 1/415

یعنی: اہل علم نے تین طلاقوں کو اکٹھا دینے میں اختلاف کیا ہے کہ وہ تین شمار ہوں گی یا ایک جمہور

پہلے موقف کی طرف گئے ہیں اور دیگر اہل علم دوسرے موقف کی طرف گئے ہیں اور یہی حق ہے۔ اور میں نے اس حوالے سے اپنی دیگر کتب میں گفتگو کی ہے اور اس موضوع پر مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔

یہ تو وہ حقیقت ہے جو باختصار ہدیہ قارئین کی گئی تاکہ مجلس واحدہ کی تین طلاقوں کے بارے میں غلط پروپیگنڈہ کرنے والے جان لیں کہ اس کا اثبات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

جس طرح مفسرین کی ایک جماعت کا موقف اختصاراً پیش کیا گیا، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی یہ صراحت موجود ہے، جو ہدیہ قارئین کی جاتی ہے:

ایک مجلس کی تین طلاقیں احادیث کی روشنی میں

حدیث نمبر 1

یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

كانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً
صحیح مسلم، حدیث نمبر :1472
یعنی ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاقیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ابتدائی دو سال تک ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔
اس کے علاوہ یہ حدیث ایک اور سند سے اس طرح مروی ہے کہ ابو الصھباء ابن عباس رضی اللہ عنہسے پوچھتے ہیں کہ

[أَتَعْلَمُ أَنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَثَلَاثًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَعَمْ] صحیح مسلم ایضا

یعنی کیا آپ کو معلوم ہے ؟ کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک کے حکم میں ہوتی تھیں۔ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ابو بکر صدیق کے عہد مبارک میں اور عمر فاروق کے ابتدائی تین سالوں میں ؟ ابن عباس نے جواب دیا جی ہاں۔
اور تیسری روایت کے الفاظ ہیں:

]أَلَمْ يَكُنِ الطَّلَاقُ الثَّلَاثُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ وَاحِدَةً؟ فَقَالَ: قَدْ كَانَ ذَلِكَ، فَلَمَّا كَانَ فِي عَهْدِ عُمَرَ تَتَايَعَ النَّاسُ فِي الطَّلَاقِ، فَأَجَازَهُ عَلَيْهِمْ[

یعنی ابو الصھباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں نبی اکرم ﷺ اور ابو بکر کے زمانے میں ایک نہیں ہوتی تھی ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی

ہوتا تھا، لیکن جب عمر فاروق کے زمانے میں لوگوں نے کثرت سے اس طرح طلاقیں دینا شروع کر دیں تو انہوں نے ان پر یہ نافذ کر دیں۔

مذکورہ حدیث نبوی ﷺ پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کا رد بعض حضرات اس صحیح حدیث کو ایک مفروضہ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے خیال میں یہ حدیث محض وہم اور مفروضہ ہے ان کے خیال میں اس حدیث کا راوی ابو الصھباء غیر معروف ہے اور اس حدیث کی بنیاد اسی ابو الصھباء پر ہے۔ لہٰذا یہ روایت ابن عباس سے درست نہیں ہے کیونکہ ثقہ راویوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔ اس لئے یہ روایت منکر ہے نیز اگر ابن عباس کا یہ قول صحیح بھی مان لیں تو دوسرے صاحب علم صحابہ کرام کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتا۔

رد:

ہم کہتے ہیں کہ اس صحیح حدیث پر مذکورہ اعتراضات کا درست ہونا تو درکنار قابل التفات بھی نہیں ہیں۔

-1 یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح میں وہی روایت نقل

کی ہے جو ائمہ محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔]6[

اس سے ظاہر ہوا کہ امام مسلم رحمہ اللہ کے دور یا ان سے پہلے محدثین میں سے کسی نے بھی اس روایت پر اعتراض نہیں کیا۔

-2 ابو الصھباء غیر معروف نہیں بلکہ ثقہ راوی ہے۔

امام ابو زرعہ نے انہیں ثقہ کہا ہے۔

اور امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق ہے۔] 7[

-3ابوالصھباء حدیث کے راوی نہیں ہیں، بلکہ وہ تو سائل ہیں۔راوی تو امام طاؤس ہیں جو بالاتفاق ثقہ ہیں۔

-4یہ کہنا کہ ثقہ راویوں نے اس کے خلاف روایت کی ہے درست نہیں، کیونکہ اس روایت کے خلاف کسی ثقہ راوی سے کوئی روایت نہیں آئی۔

-5یہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذاتی قول نہیں کہ جس میں دیگر صحابہ ان کے معارض اور خلاف ہوں بلکہ یہ تو ایک معاملہ کی وضاحت ہے۔طلاق ثلاثہ کے معاملہ کو جیسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں پایا جاتا تھا ویسے ہی بیان کر دیا۔جبکہ اس کے برعکس کسی صحابی نے یہ بیان نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق کے زمانہ میں ایک مجلس کی تین طلاقیں تین شمار ہوتی تھیں۔

-6اس روایت پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ اس روایت کے خلاف فتوی دیتے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ابن عباس اس کے خلاف فتوی کیوں دیتے ؟ یہ اعتراض بھی لایعنی ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ راوی اگر اپنی مروی عنہ کے خلاف عمل کرتا ہے یا فتوی
دیتا ہے تو اس کی روایت مقبول ہے نہ کہ اس کا فتوی یا عمل ملاحظہ فرمائیے۔]8[

لہٰذا بالفرض جناب ابن عباس رضی اللہ سے اپنی روایت کے خلاف فتوی بھی اگر ہو تو ان کی روایت کو لیا جائے گا فتوی کو نہیں کیونکہ روایت مرفوع کے حکم میں ہے جو کسی غیر معصوم کے عمل نہ کرنے سے متروک نہیں ہو سکتی۔

حالانکہ ان کا فتوی مذکورہ حدیث کے موافق بھی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (عون المعبود جلد نمبر صفحہ 222)

لہٰذا یہ تمام اعتراضات کم علمی کا نتیجہ ہیں، جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے۔

حدیث نمبر 2

(عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ أَخُو بَنِي الْمُطَّلِبِ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا، قَالَ: فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟" قَالَ: طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا، قَالَ: فَقَالَ: "فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟" قَالَ: نَعَمْ قَالَ: "فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَأَرْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ" قَالَ: فَرَجَعَهَا) 2

یعنی: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں ایک ہی مجلس میں تو وہ اس پر شدید پریشان ہوئے ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کہ تم نے کیسے طلاق دی ؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تین طلاقیں دیں۔ نبی ﷺ نے پوچھا کیا تم نے ایک ہی مجلس میں یہ تین طلاقیں دیں انہوں نے کہا: ہاں ! میں نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقین دیں نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک واقع ہوئی ہے اگر تم چاہو تو رجوع کر لو ابن عباس فرماتے ہیں کہ انہوں نے رجوع کر لیا۔

اس روایت کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهَذَا الْحَدِيثُ نَصٌّ فِي الْمَسْأَلَةِ لَا يَقْبَلُ التَّأْوِيلَ

یعنی: "یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے اور کسی تاویل کو قبول نہیں کرتی۔] 9[

مزید اس حدیث کی تصحیح مندرجہ ذیل ائمہ حدیث نے فرمائی ہے۔

علامہ احمد شاکر نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔2

اس حدیث کے حوالے سے دور حاضر کے عظیم محقق علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هذا الإسناد صححه الإمام أحمد والحاكم والذهبي وحسنه الترمذي في متن آخر تقدم برقم (1921), وذكرنا هناك اختلاف العلماء في داود بن الحصين وأنه حجة في غير عكرمة, ولولا ذلك لكان إسناد الحديث لذاته قويا, ولكن لا يمنع من الاعتبار بحديثه والاستشهاد بمتابعته لبعض بني رافع, فلا أقل من أن يكون الحديث حسنا بمجموع الطريقين عن عكرمة, ومال ابن القيم إلى تصحيحه"

یعنی: اس سند کو امام احمد، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے، اور امام ترمذی نے دوسرے متن میں اس سند کو حسن قرار دیا ہے، وہاں ہم نے اس سند کے ایک راوی داؤد بن حصین کی توثیق و جرح کے حوالے سے اقوال علماء پیش کر دیئے ہیں، کیونکہ داؤد بن حصین عکرمہ سے روایت بیان کرنے میں قابل حجت نہیں۔ اگر یہ علت نہ ہوتی، تو یہ روایت لذاتہ قوی ہو جاتی، لیکن پھر بھی اس روایت کو بعض بنی رافع کی متابعت کی وجہ سے استشہاد اور اعتبار کے طور پر پیش کرنے سے کوئی مانع نہیں۔ لہذا جناب عکرمہ کے طریق سے یہ روایت حسن کے درجہ سے کم نہیں۔ امام ابن قیم بھی اس کی تصحیح کے قائل ہیں۔][10

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہ روایت جید الاسناد ہے۔ (ایضاً)

مزید اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "ویقوی حدیث ابن اسحاق المذکور ما اخرجہ مسلم]' ' 11[

یعنی: صحیح مسلم والی حدیث اس روایت کو قوی بناتی ہے۔

اعتراض

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ کیوں کہ بعض راویوں نے لفظ "بتہ" استعمال کیا ہے اور بعض نے "طلاق ثلاثہ" کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس اضطراب کی وجہ سے حدیث قابل عمل نہیں رہی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر "بتہ" کے الفاظ والی روایت حدیث کے معیار صحت پر پوری اترتی، تو اضطراب قابل التفات ہوتا، جبکہ اس روایت کے اکثر راوی محدثین کے نزدیک ضعیف اور مجہول ہیں۔

" "بتہ" والی حدیث کی سند اور راویوں سے متعلق ائمہ کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی سند

) حدثنا ابن السرح و ابراهيم بن خالد الكلبي في آخرين قالوا حدثنا محمد بن ادريس الشافعي حدثني عمي محمد بن علي بن السائب عن نافع بن عجير بن يزيد بن ركانة ان ركانة بن يزيد طلق الٰى آخر (

دوسری سند

) حدثنا محمد بن يونس النسائي ان عبدالله بن الزبير حدثهم عن محمد بن ادريس حدثني محمد بن علي عن ابن السائب عن نافع بن عجير عن ركانة بن عبد يزيد عن النبي ﷺ هذا الحديث (

ان دونوں سندوں میں ایک راوی نافع بن عجیر ہے جس کے متعلق ابن قیم فرماتے ہیں:

"هو مجهول لا يعرف حاله البتة"

مجہول راوی ہے۔ (اس کا حال بالکل معلوم نہیں ہے اور نہیں معلوم کہ یہ کون ہے اور کیا ہے)

امام احمد بن حنبل امام بخاری ابو عبید اور ابو محمد بن حزم وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے، اور وضاحت کی ہے کہ (ان رواتہ قوم مجاھیل لم تعرف عدالتھم و ضبطھم)] 12[

تیسری سند

)حدثنا سلیمان بن داؤد حدثنا جریر بن حازم عن الزبیر بن سعید عن عبداللہ بن علی یزید بن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ(

اس سند میں ایک راوی زبیر بن سعید ہے جو کہ ضعیف ہے۔

میزان میں ہے: لیس بشئ (یعنی یہ راوی کچھ بھی نہیں) اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے اور تقریب میں ہے۔ لین الحدیث

اسی طرح اس سند کا راوی عبداللہ بن علی بھی ضعیف ہے تقریب میں ہے "ھو لین الحدیث"

و قال العقیلی اسنادہ مضطرب لا یتابع علی حدیثہ]13[

لہذا ایسی ضعیف روایت کو بنیاد بنانا صحیح نہیں ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اجماع صحابہ

ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوتی ہیں اس حوالے سے یہ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نقل عَن عَليّ وبن مَسْعُودٍ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ مِثْلُهُ نقل ذَلِک بن مُغِيثٍ فِي كِتَابِ الْوَثَائِقِ لَهُ وَعَزَاهُ لِمُحَمَّدِ بْنِ وَضَّاحٍ وَنَقَلَ الْغَنَوِيُّ ذَلِک عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ مَشَايِخِ قُرْطُبَةَ كَمُحَمَّدِ بْنِ تَقِيِّ بْنِ مَخْلَدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ السَّلَامِ الْخُشَنِيِّ وَغَيْرِهِمَا وَنقله بن الْمُنْذر عَن أَصْحَاب بن عَبَّاسٍ كَعَطَاءٍ وَطَاوُسٍ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ"

فتح الباری:9/450، و ایضاً فی عمدۃ القاری

یعنی: سیدنا علی، ابن مسعود، عبدالرحمن بن عوف اور زبیر اسی طرح محمد بن وضاح، مشائخ قرطبہ میں سے محمد بن تقی بن مخلد، محمد بن عبدالسلام الخشنی

وغیرہ، اصحاب ابن عباس میں سے عطاء طاؤس، عمرو بن دینار وغیرہ کا یہی موقف ہے۔][14]

یہی موقف امام شوکانی کا ہے۔ کما مر

نیز یہی موقف امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہم اللہ کا ہے۔

بلکہ اہل علم کی مناسب تعداد کے ساتھ ساتھ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس پر اجماع صحابہ تھا۔ کیونکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی صحابی سے منقول نہ ہونا اس کی واضح دلیل ہے۔ اسی لئے امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما أقوال الصحابة: فيكفي كون ذلك على عهد الصديق، ومعه جميع الصحابة، لم يختلف عليه منهم أحد، ولا حكي في زمانه القولان، حتى قال بعض أهل العلم: إن ذلك إجماع قديم وإنما حدث الخلاف في زمن عمر رضي الله عنه، واستمر الخلاف في المسألة إلى وقتنا هذا"

اغاثة اللهفان

یعنی: (ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں) اس کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثبوت کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا اور سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ تھے کسی نے اختلاف نہیں کیا نہ کسی سے کوئی دوسرا قول منقول ہے۔

حتٰی کہ بعض علماء کا تو یہ کہنا ہے کہ یہ پرانا اجماع ہے اور اختلاف بعد میں پیدا ہوا۔ یعنی خلیفہ ثانی کے زمانے میں اور وہ اختلاف اب تک باقی ہے۔

نیز تعلیق المغنی میں ہے

"هذا حال كل صحابي من عهد الصديق الى ثلاث سنين من خلافة عمر بن الخطاب وهم يزيدون على الالف قطعاً"

تعلیق المغنی علی الدار قطنی: 4/47

یعنی: دور صدیق سے عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی تین سال تک تمام صحابہ کا یہی حال تھا (یعنی سب کے نزدیک تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں) اور ان صحابہ کی تعداد قطعی طور پر ایک ہزار سے زائد ہے۔

ایک مجلس میں تین طلاقوں کو طلاق مغلظہ قرار دینے والوں کے دلائل اور ان کی حقیقت

اب ہم ان احادیث کے حوالے سے بھی کچھ باتیں ہدیہ قارئین کرنا چاہتے ہیں، جنہیں پیش کر کے علماء احناف کے مفتیوں کی ایک خاصی تعداد بزعم خود یہ سمجھتی ہے کہ صحیح احادیث میں بھی ایک ہی مجلس / وقت میں دی گئی تین طلاقوں کو تین شمار کیا گیا ہے۔

دلیل نمبر 1

كانت عائشة الخثعمية عند الحسن بن علي فلما قتل علي قالت الخلافه قال بقتل علی تظهرين الشاة اذهبي فأنت طالق يعني ثلاثاً

ترجمہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو ان کی اہلیہ عائشہ خثعمیہ نے انہیں مبارک باد دی۔ اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ مبارک باد سیدنا علی کی شہادت پر ہے۔ تم اس پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو، جاؤ! تمہیں تین طلاقیں ہیں۔[17] جب ان کی عدت ختم ہو گئی تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بقیہ مہر اور دس ہزار روپے صدقہ بھیجے جب عائشہ خثعمیہ کو یہ رقم ملی تو کہنے لگیں جدا ہونے والے حبیب سے یہ مال کم ہے، یہ سن کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ اگر نانا کا

یہ فرمان نہ ہوتا کہ "جس نے اپنی بیوی کو ماہواری کے وقت یا مبہم تین طلاقیں دے دیں تو وہ عورت بغیر نکاح ثانی کہ اس کے لئے حلال نہیں" تو میں رجوع کر لیتا۔

دلیل کا تجزیہ

اس روایت پر کوئی اور جرح کئے بغیر، ہم اس کی سند پر بحث کرتے ہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی عمرو بن شمر ہے جس کے بارے میں ائمہ حدیث نے سخت جرح کر رکھی ہے۔ مثلاً:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ "منکر الحدیث" ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ اسے "متروک الحدیث" قرار دیتے ہیں۔

ابن حبان اسے رافضی، صحابہ کو برا بھلا کہنے والا اور ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرنے والا بیان کرتے ہیں۔

امام یحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی"۔

وزجانی کے نزدیک یہ شخص "کذاب" ہے۔[18]

اس کی ایک اور سند ہے جس میں محمد بن حمید الرازی راوی ہے۔ اس کے متعلق بھی ائمہ حدیث نے سخت الفاظ میں جرح کی ہے۔

یعقوب القمی اور ابن مبارک کہتے ہیں یہ "ضعیف" ہے۔

یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ "کثیر المناکیر" ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فیہ نظر"۔

ابو زرعہ کہتے ہیں یہ "کذاب" ہے۔

نیز امام فضلک لازی رحمہ اللہ نے کہا میرے پاس اس کی پچاس ہزار حدیثیں ہیں لیکن میں ان میں سے ایک بھی نہیں لیتا۔ یہ تو اللہ پر بڑی جرأت کرتا ہے اور لوگوں کی احادیث لے کر الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔

امام خراز تو قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ جھوٹ بولتا ہے۔
صالح جزرہ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ میں بہت ماہر تھا۔]19[
دوسرا راوی سلمہ بن الفضل الابرش ہے۔
اسحق بن راھویہ کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔
امام بخاری فرماتے ہیں اس کی حدیث میں بعض منکر چیزیں ہیں۔
امام نسائی کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔
امام علی بن المدینی کہتے ہیں ہم نے شہر سے نکلنے سے پہلے اس کی تمام روایات کو پھینک دیا تھا۔
ابو حاتم کہتے ہیں قابل صحت نہیں ہے۔]20[
دلیل نمبر2

"قال سمعت محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ ﷺ عن رجل طلق امراتہ ثلاث تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ و انا بین اظھرکم حتی قام الرجل و قال یا رسول اللہ الا اقتلہ"
سنن نسائی ج2ص538
ترجمہ :راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمود بن لبید سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ سے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں اللہ تعالی کی کتاب سے کھیلا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اسکو قتل نہ کردوں۔]21[
دلیل کا تجزیہ:

اس حدیث سے ان کے موقف کی بالکل تائید نہیں ہوتی، بلکہ ایسی طلاق پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔
کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی تین طلاق کو ایک قرار نہیں دیا۔ سوال یہ کہ اگر اسے ایک قرار نہیں دیا تو تین قرار دینے کا تذکرہ کہاں ہے؟؟
دلیل نمبر 3

عن سهل بن سعد في هذا الخبر قال فطلقتها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فانفذه رسول الله ﷺ
سنن ابی داود 1 ص 302
ترجمہ: سیدنا سھل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں منقول ہے کہ سیدنا
عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اکٹھی تین طلاقیں اپنی بیوی کو دے دیں تو آپ نے تینوں طلاقیں نافذ کر دیں۔
دلیل کا تجزیہ
ہر صاحب علم اس بات سے آگاہ ہے کہ عویمر ورضی اللہ عنہ کا واقعہ لعان کا ہے اور لعان کے احکام طلاق سے بالکل الگ ہیں۔ لعان خود ابدی جدائی ہے اور اس میں طلاق دینا ضروری نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل شروحات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم یہاں ابن قدامہ رحمہ اللہ کا ایک حوالہ نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

)وَأَمَّا حَدِيثُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَغَيْرُ لَازِمٍ؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ لَمْ تَقَعْ بِالطَّلَاقِ، فَإِنَّهَا وَقَعَتْ بِمُجَرَّدِ لِعَانِهِمَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِمُجَرَّدِ لِعَانِ الزَّوْجِ(
المغنی لابن قدامه

یعنی: لعان والی حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ جدائی طلاق سے نہیں بلکہ مجرد لعان سے ہوئی ہے۔

نیز امام شافعی کا بھی یہی موقف ہے۔ اور ممالک اور ریاستیں جہاں آج بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا ہے اور اسے قانونی حیثیت حاصل ہے۔ مثلاً سعودی عرب، متحدہ عرب امارات کی تمام ریاستوں میں، مصر، انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ میں اسے قانونی حیثیت حاصل ہے۔

طلاق ثلاثہ کے مسئلے میں ان گزارشات کا مقصد حقائق کو واضح کرنا تھا۔

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ

[2]احکام القرآن، مذکورہ بالا آیت کے تحت

[3] فتح القدیر:1/415

[4] صحیح مسلم، حدیث نمبر:1472

[5] صحیح مسلم، ایضاً

)[6]مقدمہ صحیح مسلم(

[7][تہذیب التہذیب:4/439، تقریب:154][8]عون المعبود صفحہ نمبر222

[9]الکفایہ صفحہ نمبر 114، حصول المامول صفحہ نمبر 59، دراسات فی الجرح والتعدیل صفحہ نمبر234

[10]مسند احمد:2387

[11] فتح الباری:9/450

[12]فتاوی ابن تیمیہ صفحہ نمبر15 جلد نمبر33

[13]بحوالہ تحفۃ الاحوذی:4/42

[14] فتح الباری:9/450، وایضاً فی عمدۃ القاری

[15]اغاثہ اللھفان
[16]تعلیق المغنی علی الدار قطنی:4/47
[17]سنن الکبری ج7ص336
[18]میزان الاعتدال:3/259
[19]میزان الاعتدال:3/508
[20]میزان الاعتدال:2/151
[21]سنن نسائی ج2ص538
[22]سنن ابی داود 1ص302
[23]المغنی لابن قدامہ

مؤلف کی مزید کتب
کا مطالعہ بھی کریں۔
مکتبہ دارالرحیل کراچی 03172134743